ماہنامہ

حکمت بالغہ

جولائی2010

مدیر:انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:-0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:http://jhanghikmat.co.cc یا

http://hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ التحریم

(آیات 1-4)

سورۃ التحریم کے ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر ایک ایسے خلافِ اولیٰ امر پر تنبیہ فرمائی گئی ہے جو کہ آپ سے اپنی ازواج مطہرات کی دلداری کے جذبے سے صادر ہوا تھا۔ یہ اس لیے کہ آپ ﷺ تمام امت کے لیے نمونہ ہیں اور ایک معمولی بات جو کسی عام انسان کی زندگی میں پیش آجائے تو کچھ حیثیت نہیں رکھتی' نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پیش آجائے تو قانون کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے؛ اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی پر ایسی کڑی نگرانی رکھی گئی ہے کہ ان کا کوئی اقدام بھی اللہ رب العزت کی منشا سے ہٹا ہوا نہ ہو اور اگر کبھی کوئی ایسا اقدام ہوا ہے تو اس کی فوراً اصلاح کر دی گئی ہے۔ (اس سے یہ بات بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں جو احکام و ہدایات ہمیں ملتی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تنبیہ نہ ہوئی ہو وہ سراسر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں اور ہمارے لیے لازماً قابل عمل بھی)۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی ایک بات پر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی ہے کیونکہ ازواج مطہرات تمام امت کی عورتوں کے لئے نمونہ ہیں، دوسروں کی بہ نسبت وہ اس بات کی زیادہ ذمہ دار ہیں کہ ان سے کوئی بات خلاف اولیٰ صادر نہ ہو گو اس کا محرک نیک ہی کیوں نہ ہو۔ اگلی آیات میں عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچنے کے لیے اپنا اور اپنے متعلقین کا اسی طرح احتساب کرتے رہو اور اس بات کو یاد رکھو کہ دوزخ پر جو فرشتے مقرر کیے گئے ہے وہ کسی کے ساتھ کوئی نرمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اس دن کسی کافر (کفر سے توبہ کر کے اسلام نہ لانے والے) کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا اس دن کامیابی حاصل کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو کفر سے توبہ کر کے اسلام لے آئیں گے یا مسلمان ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کر رہے ہیں تو اس

سے ''سچی توبہ'' کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں گے انہیں لوگوں کو اللہ کی رحمت نصیب ہوگی۔ پھر نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ کفار و منافقین کو پُر زور الفاظ میں بتادو کہ اگر انہوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو نہایت برا ٹھکانہ ہے۔ آخر میں کفار کے لیے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہا السلام کی بیویوں کی مثال اور مسلمانوں کے سامنے فرعون کی بیوی اور حضرت مریم سلام علیہا کی مثال پیش کر کے یہ حقیقت واضح فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آدمی کا اپنا عمل ہی کام آئے گا۔ اگر ایمان و عمل صالح نہ ہو تو ایک پیغمبر کی بیوی ہونا نفع والی چیز نہیں ہے اور اگر ایمان و عمل صالح ہو تو فرعون جیسے دشمن خدا کی بیوی ہو کر بھی آخرت کے بلند درجات کی حق دار بن سکتی ہے۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ

اے پیغمبر ﷺ

لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ

آپ کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ اس چیز سے جو

اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہے

تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ

تم کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ O

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ

اللہ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے

وَ اللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ

اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے

وَ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ O

اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا

اور (یاد کرو) جب پیغمبر ﷺ نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی

فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ

تو (اس نے کسی کو بتا کر) جب اس کو افشا کیا اور اللہ نے اس

(حال سے) پیغمبر ﷺ کو آگاہ کردیا

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ

تو پیغمبر ﷺ نے (اس بیوی کو وہ بات) کچھ تو جتائی اور کچھ نہ بتائی

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا

تو جب وہ ان کو جتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو کس نے بتایا؟

قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ O

آپ ﷺ نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبردار ہے

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا

اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرلو (اور اپنے سابقہ رویے پر ندامت ظاہر کرو تو بہتر ہے

کیونکہ) تمہارے دل (پہلے ہی رجوع کی طرف) جھک پڑے ہیں

وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

اور اگر پیغمبر ﷺ (کی ایذا) پر باہم اعانت (کی خواہش) کروگی

تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے حامی (اور دوست دار) ہیں

وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ O

نیز جبریل علیہ السلام اور نیک کردار مسلمان اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مددگار ہیں

حرف آرزو

ع ہے جرمِ ضعیفی کی سزا ''توہینِ رسالت ﷺ''

وھن ـــــ توہینِ رسالت ﷺ

اور کرنے کا کام

انجینئر مختار فاروقی

دنیا میں آج مسلمانوں کی تعداد 140 کروڑ کے قریب ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ہر پانچواں انسان مسلمان ہے اور مسلمانوں کے پاس وسائل کی بھی فراوانی ہے۔ 56 مسلمان ممالک ہیں اور ان کے پاس دنیا کا بہترین زرعی علاقہ ہے، تیل کی پیداوار کے ذخائر ہیں، اعلیٰ ترین افرادی قوت ہے، زرعی اجناس اور پھلوں سے مالا مال مارکیٹیں ہیں ـــــــــــ مگر دنیا بھر میں نہ عزت ہے نہ وقار، نہ داخلی استحکام ہے نہ خارجی امن، مسلمان ہر جگہ اور ہر لحاظ سے کسمپرسی اور محکومیت کا شکار ہیں۔ عوام کیا خواص بھی عالمی طاقتوں اور اُن کے در پردہ صہیونی آقاؤں کے آگے دست بستہ بے دام غلام کی حیثیت سے کھڑے ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ محکومیت اور 'مسکنت' کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہم عملاً امریکہ اور مغربی ممالک کے غلام بن چکے ہیں۔

اس سارے قضیئے کی بنیادی وجہ ہم مسلمانوں کا مجموعی طور پر دین کو چھوڑ دینا ہے اور قرآن مجید سے بے اعتنائی برتنا ہے۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا اے مسلمانو! تم کثرت میں ہونے کے باوجود بے وقعت ہو جاؤ گے اور تمہاری حالت 'غثاء السیل' یعنی سیلابی ریلے کے اوپر والی جھاگ اور خس و خاشاک سے زیادہ نہیں ہوگی۔ صحابہ کرام ؓ کو تشویش لاحق ہوئی سوال ہوا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا مسلمانوں کی یہ حالت 'عددی قلت' کی وجہ سے ہوگی؟ ارشاد ہوا نہیں 'بل انتم یومئذ کثیر' (بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہو گے' جیسے

آج کل ہیں) پھراس ذلت ورسوائی کی وجہ؟ ارشاد ہوا کہ تمہارے اندر ایک بیماری پیدا ہو جائے گی اس کا نام ہے'وھن'۔عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولﷺ ارشاد فرمائیے کہ یہ'وھن' کیا بیماری ہے؟ ارشاد ہوا

حبّ الدنیا و کراھیة الموت

''دنیا کی محبت (میں گرفتار ہونا) اور موت سے (اپنے اعمال سیئہ کے باعث) کراہیت''

آج ہم مسلمانوں کی عمومی ذلت و رسوائی کا مشاہدہ کریں تو سر کی آنکھوں سے یہ حقیقت دیکھی جا سکتی ہے اور ہر عام و خاص کو اس ذلت و رسوائی سے سابقہ ہے۔غور کریں تو محسوس ہوگا کہ یقیناً آج مجموعی طور پر مسلمانوں میں یہ 'وھــــن' کی بیماری نہ صرف پیدا ہو چکی ہے بلکہ جسد ملّی کے ریشے ریشے اور خلیئے خلیئے میں سرایت کر چکی ہے اور ہم مسلمان عالمی سطح پر بے وقعت، بے اختیار اور عالمی طاقتوں کے رحم و کرم پر آس لگائے مستقبل کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک زمانوں (جب اہل ایمان کو غلبہ حاصل ہوا اور نیکی کا دور دورہ ہو گیا حق غالب ہو گیا اور باطل بھاگ گیا) کے علاوہ ہمیشہ باطل کا غلبہ اور طاقت کا قانون رائج رہا ہے؛MIGHT IS RIGHT ـــــــ یا 'جس کی لاٹھی اس کی بھینس' کے اُصول کی فرماں روائی رہی ہے اور آج بھی علم کے شہرہ، ترقی، وسائل، شعور و آگہی کی فراوانی کے باوجود عالمی سطح پر یہی 'جنگل کا قانون' رائج ہے۔مسلمان دین سے بے وفائی کے باعث بے وقعت ہوئے تو 'عالم کفر' نے مسلمانوں پر چڑھائی کر دی اور ہمارے اُصول، علم، تحقیق، ترقی، ثقافت، آرٹ ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔اس صورت حال میں دو صدیاں بیت چکی ہیں۔تو آج ہر جگہ مغرب کی جارحانہ اور ظالمانہ کاروائیوں اور بے اُصولیوں کے باعث 'کھرے' کو 'کھوٹا' اور جھوٹ کو سچ بنایا گیا ہے اور میڈیا کے ذریعے 'زہر' کو 'آب حیات' بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

گزشتہ ساٹھ سالوں میں مسلمانوں نے جسمانی طور پر(PHYSICALLY) تو اقوام یورپ اور صیہونی طاقتوں سے آزادی حاصل کر لی ہے اور ساٹھ کے لگ بھگ مسلمان ملک

آزاد ہیں مگر ذہنی وفکری غلامی ابھی اپنی جگہ قائم ہے بلکہ بعض لحاظ سے گہری ہوتی جارہی ہے۔

محکومی میں کسی قوم کے افراد کو غلام بنالیا جاتا ہے تو اس قوم کی عزت نفس اور نظریات و افکار کو بھی پاؤں تلے روند دیا جاتا ہے اور محکوموں کی چیخ و پکار حاکموں اور وقت کے فرعونوں کے کانوں پر کوئی ارتعاش پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی حال آج ہم مسلمانوں کا ہے۔ ہم مسلمان تو مغربی آقاؤں کی غلامی کر ہی رہے ہیں ہمارے ٹیکس ہمارے آقاؤں کے مسلط کردہ حاکموں کی جیبیں بھرتے ہیں اُن کے لئے عیاشی کا سامان فراہم کرتے ہیں اور یہ حکمران اپنی قوم کے جذبات کی عکاسی کی بجائے عالمی طاقتوں کو خوش کر کے اپنی حکمرانی کے دن طویل کرنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔

یہی سبب ہے کہ آج عالمی طاقتیں ہماری عزتِ نفس کو کچل کر ہمارے افکار و نظریات کو جامد، دقیانوسی، پرانے اور پتھر کے زمانے کی باتیں (اساطیر الاولین) باور کرانے کے درپے ہیں بلکہ ہماری محبوب شخصیات اور جان سے عزیز پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی بے حرمتی اور توہین پر اُتر آئے ہیں۔ گزشتہ کئی سالوں سے یہ عمل بھی مسلسل جاری ہے اور ـــــــــــ ہم محکوموں کی آہ و پکار اور احتجاج بھی ـــــــــــ مگر وقت کے فرعونوں کو اس سے کیا غرض اب اس سے آگے بڑھ کر اقوام مغرب نے اور اس کے سرغنہ امریکہ نے اپنی سرزمین سے یہ ناپاک جسارت بھی کی ہے کہ وہاں خاکم بدہن حضرت محمد ﷺ کے کارٹون بنانے کے مکروہ عمل کا مقابلہ منعقد کرایا جائے۔ ادھر احتجاج جاری ہے اور ادھر بے حسی کا عالم ہے اور ہمارے ملک کے اندر دشمن کے چھپے ایجنٹ آزادئ رائے کے نام سے اس شیطانی عمل کا جواز پیش کر رہے ہیں۔ کاش یہ دن دیکھنے کے لئے ہم زندہ نہ رہے ہوتے!۔

دنیا میں یہ جاری اُصول اگر ہمیں سمجھ میں آجائے کہ

؎ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اور اپنی 'وھن' کی بیماری کا احساس بھی ہوجائے تو آج مغرب کی دلیری اور ہماری بے عزتی نہیں

ہمارے پیغمبرﷺ کی توہین کا ارتکاب ہمیں احساس دلائے گا ـــــــــــــ کہ 'وھن' سے ہی 'توہین' کا لفظ بنا ہے ہماری خطاؤں لغرشوں اور بے عملیوں سے ہی دشمن کو شہ ملی ہے اور وہ ہمارے آقا حضرت محمدﷺ کی توہین کا مرتکب ہورہا ہے۔

یقین کیجیے ـــــــــــــ احتجاج کی صدا بلند رکھنا ہمارا فرض ہے اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہمارا ایمان ـــــــــــــ مگر مغربی اقوام کے ذہن کا خناس (اور فرعونیت) کبھی احتجاج کی زبان کو اہمیت نہیں دے گا۔ ہمیں ـــــــــــــ بیدار ہونا چاہیے اور متحد ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے ـــــــــــــ ملک خداداد پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کا نفاذ ضروری ہے اگر یہاں ـــــــــــــ اگلے الیکشن میں حضرت محمدﷺ کے سچے اُمتی اور حقیقی غلامانِ مصطفٰیﷺ اقتدار میں آجائیں تو دیکھئے یہ توہین آمیز کاروائیاں اور مسلمانوں کا دل جلانے والے اقدامات کا راتوں رات خاتمہ ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے وہ ہمیں سچی توبہ کرنے اور حضرت محمدﷺ کا سچا اُمتی بننے کی ہمت اور شوق دے۔ بقول اقبال

تڑپنے ، پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰؓ ، سوز صدیقؓ دے

اگر یہ دولت ہمیں میسر آجائے تو پھر صہیونیت کو سانپ سونگھ جائے گا، مغربی بے غیرت اور بے حیاء اقوام کو لباس یاد آجائے گا اور اسلام، پیغمبر اسلام (حضرت محمدﷺ) اور مسلمان کا نام ادب سے (باوضو ہو کر) لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہمارا ماضی، ہمارے معتقدات، ہماری ثقافت، ARTS، ہماری محبوب شخصیات دنیا میں پہچانی جانی لگیں گی اور آج کی مادر پدر آزاد انسانیت کو اللہ، آخرت اور وحی کے الفاظ ذہن کے کسی گوشے سے اُبھر کر زبان پر آجائیں گے اگر ہم اس جاری احتجاج کے ساتھ درون بینی (INWARD LOOKING) کا اہتمام کریں تو 'خاکے بند کرو' کے مطالبہ کی بجائے اسلام کے غلبے کی جدوجہد کا راستہ زیادہ صحیح مختصر اور آسان راستہ ثابت ہوگا۔

و ما ذالك على الله العزيز

قیام نظام خلافت کے داعیوں اور کارکنوں
کے ذاتی اوصاف کے ضمن میں اہم ترین بنیادی وصف

اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ

یعنی حدود اللہ کی حفاظت

انجینئر مختار فاروقی

نظام خلافت کا قیام ایک ایسا کثیر الجہتی کام ہے کہ جس کے لیے کام کرنے والے اس کے شیدائیوں اور فدائیوں کے مختلف پہلوؤں سے کئی اوصاف قرآن مجید اور فرامین رسالت ﷺ میں وارد ہوئے ہیں۔ خلافت کا قیام انفرادی و اجتماعی زندگی میں جو بنیادی تبدیلیاں لاکر ایک عادلانہ اجتماعی معاشرے کی تشکیل کا باعث بنتا ہے ———— وہ بنیادی ناگزیر اوصاف اس نظام خلافت کے قیام کے لئے کام کرنے والوں میں خالص ترین شکل میں موجود ہونا لازمی و لابدی امر ہے۔

سورۃ المائدہ میں نظام خلافت کے ایسے شیدائیوں اور فدائیوں کے لئے ان کی اللہ سے محبت اور فدائی جذبہ سے پہلے ان کے لئے محبوب الٰہی ہونے کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔ اسی طرح آپس میں رحیم و شفیق اور عدل اجتماعی کے قیام کے مخالفوں کے لئے ناقابل تسخیر اور لوہے کا چنا۔ بقول اقبال ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

یا فارسی میں انہوں نے یہی مضمون اس طرح ادا کیا ہے۔

؎ بروز بزم سراپا چوں پرنیاں و حریر
بروز رزم خود آگاہ و خود فراموشند

ان خوش بخت لوگوں کے کچھ اوصاف ایک دوسرے انداز میں سورۂ توبہ کی آیات 110، 111

میں وارد ہوئے ہیں۔ان اوصاف حمیدہ میں سے سب سے آخر میں ''الحفظون لحدود الله ''
کے الفاظ آئے ہیں اور انگریزی محاورے LAST BUT NOT THE LEAST کے
مصداق اہمیت میں ایک لحاظ سے سب پر بھاری ہیں۔

پہلی نظر میں تو 'حدود اللہ' کے الفاظ بڑے سادہ سے ہیں اور مفہوم بھی بڑا واضح ہے اور خدائی خدمتگار اور خدائی فوجداری کا تصور ابھرتا ہے تاہم قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں ذرا گہرائی میں جائیں تو کئی دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں جو اخلاقی اور عملی ہر دو لحاظ سے بڑے معنی خیز ہیں۔

حدود الله

'حُـدُود' کالفظ جمع ہےاوراس کاواحد 'حَـدٌّ' ہے۔حدود کالفظ قرآن پاک میں 14 مرتبہ آیا ہے۔12 مرتبہ لفظ اللہ کے طرف مضاف ہوکر اور 2 اس کے علاوہ۔

حد (جمع حدود) کے معنی اردو زبان میں مستعمل مفہوم کی طرح کسی معاملے میں ملکیت یا استعمال کی اجازت کے آخری نشان اور خط کے ہیں جیسے ملکوں کی حدود ہوتی ہیں اسی طرح حدیث پاک میں وارد ہے کہ ہم مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں میں حدود متعین کردی ہیں تا کہ ان کے اندر رہ کر انسان زندگی گزارے اوراس سے ہرگز تجاوز نہ کرے۔

ایک عام دینی مزاج کے مسلمان کے ذہن میں ''حدود اللہ'' سے مراد اکثر و بیشتر بدکاری، چوری، ڈاکہ، قتل وغیرہ کی قرآنی سزائیں ہیں اور 'حدوداللہ' کے نفاذ یا اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کے قیام کا مطلب انہیں حدوداللہ کے نفاذ کا اہتمام کرنا ہے۔ایک حدیث میں یہ لفظ اسی مفہوم میں آیا ہے:

> قال رسول الله ﷺ: اقامة حد من حدود الله خيرمن مطر اربعين ليلة في بلاد الله عزوجل (سنن ابن ماجه عن بن عمر رضی اللہ عنہ)
>
> ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی حدود میں سے کسی ایک حد کا قائم کرنا چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے''۔

تاہم قرآن مجید میں 'حدوداللہ' کی اصطلاح وسیع مفہوم میں استعمال ہوئی ہے اوراس طرح حدود

اللہ کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوگئی ہے اور انسان کی نجی اور متاہل زندگی (FAMILY LIFE) کا اہم اور بظاہر نجی اور RECREATION کے انداز کا حصہ بھی اس میں شامل ہوگیا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ دین کے وہ احکام جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، قاتل کی گرفتاری اور سزا وغیرہ یہ مسلمانوں کے لئے انفرادی سطح کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک حکومت، ریاست، عدالتی نظام، پولیس، حوالات، جیل، تفتیش اور شہادتوں کا پورا ڈھانچہ ضروری ہے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوسکیں اور ایسا نہ ہو کہ جس کو چاہیں چور چور کہہ کر پکڑ لیں اور ہاتھ کاٹ ڈالیں۔ اس کے لئے نظام خلافت کا قیام ناگزیر ہے اس کے بعد ہی ان حدود کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ جبکہ ———— نجی زندگی اور عائلی زندگی میں مذکورہ 'حدود اللہ' کے ضمن میں انفرادی سطح پر ہی انسان جوابدہ ہے اور عمل درآمد ضروری ہے۔ لہٰذا اس مضمون کا مدعا ہی یہ ہے کہ 'حدود اللّٰہ' کی تشریح کرکے واضح کردیا جائے کہ کونسی 'حدود' اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں جن کے نفاذ کا معاملہ قیام نظام خلافت سے منسلک ہے اور کونسی 'حدود' انسان کی نجی اور متاہل زندگی سے متعلق ہیں جن کے لئے خادمانِ دین مبین اور نظام خلافت کے شیدائیوں اور فدائیوں کو خود ذاتی سطح پر اہتمام کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اس ضمن میں پوری طرح جوابدہ ہیں۔ اللھم حاسبنا حسابا یسیرا۔ آمین (ہم یہاں آسانی کے لئے نجی اور متاہل زندگی سے متعلق حدود کی نشان دہی کریں گے جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے علاوہ دیگر معاملات جن پر حدود اللہ کے الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے وہ اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔)

قرآن مجید میں 'حدود اللہ' کی اصطلاح

1۔ قرآن مجید میں حدود اللہ کی اصطلاح ترتیب مصحف میں سب سے پہلے دوسرے پارے میں روزے کے احکام کے ساتھ آئی ہے جہاں روزے حکمت، احکام اور تفاصیل آئی ہیں وہیں احکام صوم کی تفصیل میں رمضان المبارک کی راتوں میں اعتکاف کی حالت میں مرد (اور عورت) کے لئے کچھ پابندیوں کا تذکرہ ہے اور وہاں الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَاتَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

(البقرۃ۔187)

''یہ اللہ کی حدیں ہیں ہرگز ان کے پاس نہ جانا۔اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بنیں''

گویا یہاں انسان کی نجی، ذاتی اور ازدواجی زندگی میں آزادروی اور آزاد منش سوچ پر پابندیاں عائد کردی گئیں ہیں اور یوں بندۂ مؤمن کو جو دل میں آئے کر گزرنے والی حیثیت سے نکال کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے آگے سرنگوں اور فرمانبردار کی حیثیت سے سامنے لایا گیا ہے اور ان 'حدود' کا روزے کی روحانی عبادت کے ساتھ تذکرہ کرکے اس سے جوڑ دیا گیا ہے گویا یہ اس کا حصہ ہے ضمنی طور پر معروف دینی اور دنیاوی کاموں کی تقسیم کے تصور کو توڑ کر احکام الٰہی اور اس کی بندگی کی وحدت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

2۔ قرآن پاک کے آخری حصے میں سورۃ الطّلاق میں بھی 'حدود اللہ' کی اصطلاح آئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے گھریلو زندگی میں طلاق جیسے اہم مسئلے کی تفصیلات دی ہیں اور ان تفصیلات کو 'حدود اللہ' سے تعبیر فرمایا ہے۔یہاں ایک ہی آیت میں دو دفعہ 'حدود' کی اصطلاح آگئی ہے۔

3۔ اسی طرح چوتھے پارے میں سورۃ النساء کے آغاز میں دو مرتبہ یہ اصطلاح وارد ہوئی ہے اس سورۃ کے نام 'النساء' پر بحث کرتے ہوئے مفسرین نے یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سورت میں خواتین، یتامیٰ اور معاشرے کے دیگر کمزور طبقات کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، یہیں وراثت کے احکام بڑی جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے خواتین کو بھی وراثت کا حقدار ٹھہرایا ہے اور عورت کو بڑی عزت کا مقام دیا ہے۔

ان احکام وراثت کی تعمیل پر جنت کا وعدہ ہے اور عدم تعمیل پر 'خلود فی النار' کی وعید سنائی گئی ہے۔چنانچہ ارشار باری تعالیٰ ہے:

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ O وَ مَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌO

''(تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر (ﷺ) کی

فرمانبرداری کرے گا اللہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے جن میں نہریں بہ رہی ہیں اوران میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔اور جو اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اوراس کوذلت کا عذاب ہوگا۔'' (14,13)

یہاں بھی دومرتبہ حدود کی اصطلاح آئی ہے اورانسان کی نجی اور گھریلو زندگی کے ضمن میں آئی ہے۔

4۔ قرآن پاک کے آخری حصے میں یہ اصطلاح آئی ہے جہاں فیملی لائف اور ازدواجی زندگی میں عرب جاہلیت کے دور کے ایک مذموم رواج اور قبائلی روایت 'ظہار' کو کالعدم قرار دینے کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کے لئے سزا تجویز کی گئی ہے گویا ازدواجی زندگی میں مردوں کو اگر قوامیت حاصل ہے تو اس خاندان کے ادارے کو معروف معنی میں چلانا بھی مرد ہی کی ذمہ داری ہے۔عورت کو بیوی اور بچوں کی پرورش کے بوجھ کی سزا سے بری الذمہ قرار دیا اور ظہار کرنے والے مردوں کے لئے سزا مقرر فرمادی اور ساتھ ظہار کو ایک 'لغو' فعل قرار دیا کہ تمہاری مائیں تو صرف وہ ہیں جنہوں نے تمہیں جنا ہے، منہ سے کہنے سے کوئی ماں نہیں بن جاتی ہاں ——— یہ قول جھوٹ کا پلندا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (المجادلۃ۔4)

''اور یہ اللہ کی حدیں ہے اور نہ ماننے والوں کے لئے درد دینے والا عذاب ہے''

5۔ سورۃ البقرۃ میں دوسرے پارے کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے نجی اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضابطے اور احکام بڑی تفصیل کے ساتھ ایک ہی جگہ بیان فرمادیے ہیں اور یہ بحث تقریباً چار رکوعوں پر پھیلی ہوئی ہے۔اس بحث کے آغاز میں (آیات 221 تا 228) ازدواجی زندگی کے بارے میں انسانی فطرت اور خواہشات کے ضمن میں بعض بنیادی باتوں کا ذکر آیا ہے اور بعض ناپسندیدہ انسانی رویوں پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔

اس کے بعد حیران کن بات یہ ہے کہ دو آیتوں میں چھ مرتبہ 'حدود اللہ' کی اصطلاح آئی ہے اور یقیناً حکمت خداوندی میں ازدواجی زندگی کے بارے میں ان مذکورہ حدود کی اہمیت کے پیش نظر ہی آئی ہیں۔

اَلطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَ لَايَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا **حُدُوْدَ اللّٰهِ** فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا **حُدُوْدَ اللّٰهِ** فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ **حُدُوْدُ اللّٰهِ** فَلَاتَعْتَدُوْهَا وَ مَنْ يَّتَعَدَّ **حُدُوْدَ اللّٰهِ** فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا **حُدُوْدَ اللّٰهِ** وَ تِلْكَ **حُدُوْدُ اللّٰهِ** يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O (البقرۃ۔230,229)

’’طلاق (صرف) دو بار ہے (یعنی دو مرتبہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت اگر خاوند کے ہاتھ سے رہائی پانے کے بدلے کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہ گار ہوں گے۔ پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔ ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور وہ عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین رکھیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کو وہ ان لوگوں کے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں (جو دانش ور ہیں)‘‘۔

ان آیات میں احکام الٰہی کی حکمت کے پیش نظر ’حدود‘ کی اصطلاح کے متعدد بار آنے کے باوجود اگلی آیت میں ارشاد ہے:

وَ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ O

''اور اللہ کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ اور اللہ نے تم کو جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے ان کو یاد کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے''

6۔ قرآن پاک میں 14 مرتبہ وارد شدہ اس اصطلاح 'حدود الله' میں سے 12 مرتبہ صرف ازدواجی زندگی سے متعلق وارد ہونا یقیناً ازدواجی زندگی میں اللہ کی متعین کردہ 'حدود' کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اور علم وحکمت الٰہی میں چونکہ انسان ان 'حدود' کی دانستہ و نادانستہ خلاف ورزی کررہا ہے اور صرف کافر نہیں مسلمان بھی کررہے ہیں لہٰذا اس پر تاکید اور تکرار کے ساتھ عمل کا مطالبہ ' حدود الله' کے محافظوں کے لئے بڑا اہم باب ہے۔

سورۂ طلاق میں جہاں 'حدود الله' کا ذکر ہے وہاں ازدواجی زندگی میں طلاق کے احکام کے پس منظر میں یہ ذکر آیا ہے۔ انسان ماضی میں بھی اور آج بھی جب کہ تعلیم، وسائل اور ترقی کا غلغلہ ہے، گھریلو زندگی میں من مانی کرنے اور کوئی ضابطہ اور قانون ماننے کو تیار نہیں ہے جس کی وجہ سے آج دنیا بھر میں 'خاندان' کا وقار داؤ پر لگ گیا ہے اور یہ ادارہ مغربی مفکرین دانستہ طور پر تباہ کرنے کے درپے ہیں۔

نسل انسانی کے تسلسل کے لئے اللہ نے انسان میں جنسی جذبہ رکھا ہے اور ہر مرد اور عورت کو تخلیق فرما کر اپنے اپنے دائرہ کار میں ذمہ داریاں تفویض فرمائی ہیں تاکہ انسانی تمدن ترقی پذیر رہے۔ تاریخ انسانی میں انسان اور مذہب ساتھ ساتھ آگے بڑھے ہیں جب تک انسانی زندگی میں فکری اور عملی طور پر مذہب کا غلبہ رہا انسانی زندگی میں اخلاق و کردار کا پلڑا بھاری رہا اور معاشرے روبہ زوال ہو کر بھی پیغمبروں علیہم السلام اور مصلحین کے ذریعے مذہب اور آسمانی ہدایت کی طرف لوٹ آتے رہے۔ مگر ختم نبوت کے بعد اور سولہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے زوال کے بعد جنم لینے والے مغربی نظریات و افکار گزشتہ پانچ چھ صدیوں میں ایسے بے لگام اور منہ زور ہو گئے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ آج کا انسان کسی شعبۂ زندگی میں بھی 'اخلاق' کی بات سننے کو تیار نہیں اور ازدواجی زندگی اور جنسی تعلقات میں تو سرے سے کسی قدغن، پابندی اور سرزنش کا

قائل نہیں رہا چنانچہ اس کا نتیجہ ہے کہ آج کا انسان اس معاملے میں حیوانوں سے بھی بدتر ہو چکا ہے

مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں قرآن کی تعلیمات واضح ہیں اور وہ انسان اور نسل انسانی کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے اور انسانی رویوں کو حیوانی رویوں سے بہت بالا تر توقع کرتا ہے۔ چنانچہ انسانوں کا لباس، قریبی رشتوں کا لحاظ اور اخلاقی حس ایسی بدیہی باتیں ہیں جو انسانوں کو حیوانوں سے ممیّز کرتی ہیں۔قرآن مجید کے مطابق انسانوں میں وراثت کی تقسیم اور نکاح کے لئے اپنے اور دوسرے خاندان کے لوگوں کے باپ دادا کے بارے میں معلومات ضروری ہیں اور رشتوں کا لحاظ ضروری ہے اور حسب نسب کا واضح ہونا شرف انسانی ہے۔

آج مغرب کا ترقی یافتہ انسان اس ضمن میں نہ جنسی تعلقات میں رشتوں کا پاس کرتا ہے، نہ طلاق کے احکام کا، نہ وراثت کا؛ لہٰذا ــــــــــــ قرآن مجید کے نزدیک یہ ایسا گھناونا جرم ہے کہ فطرت اس کی سخت ترین سزا دیتی ہے۔اسی سورۂ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا O (طلاق۔8)

''اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگا اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر عذاب نازل کیا انوکھا (جو نہ دیکھا تھا نہ سنا)''

ایسے معاشروں میں بے راہ روی کی وجہ سے نہ مرد خاندان کی ذمہ داریاں اُٹھانے کو تیار ہے اور نہ عورت زچگی اور امومت (ماں کی حیثیت سے ذمہ داریوں) کی سختیاں جھیلنے کو تیار ہے لہٰذا ایسے معاشرے گھریلو زندگی سے باہر اپنے جذبات کی تسکین کا سامان کر لیتے ہیں جیسے آج کے مغربی اور دیگر ترقی یافتہ معاشروں میں سیر وسیاحت، ٹورازم، ہوٹلنگ، سومنگ پول، ساحلِ سمندر کی سیر وغیرہ وغیرہ۔اس کا نتیجہ......اور سب سے بڑا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ ایسے معاشروں میں بچوں کی شرح پیدائش انتہائی گر جاتی ہے اور یوں ایسے معاشرے تہذیبی 'فنا' کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بات کی طرف اشارہ سورۂ طلاق کی اسی آیت میں جہاں عذاباً نکرا (انوکھا عذاب) کے الفاظ آتے ہیں اور مزید

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا O

''سوانہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزا چکھ لیا اوران کا انجام تھا (مکمل طور پر) مٹ جانا''

آبادیات اورنسل انسانی کی شرح نمو کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کسی معاشرے اور تہذیب کے لئے بقا کی ضامن کم ازکم پیدائش 2.2 فی خاندان ہے اگر یہ شرح اس سے کم ہوجائے تو جلد یا بدیر وہ معاشرہ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔ چنانچہ حیران کن بات یہ ہے کہ تمام یورپی ممالک اورامریکہ کینیڈا کی شرح پیدائش 2.2 سے کہیں کم ہے جو کوشش کے باوجود واپس نہیں لائی جاسکتی ہےاور جلد ایسی قوموں کا فنا ہوجانا نوشتہ دیوار ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرہ میں نکاح وطلاق کے مسائل کے ضمن میں جہاں چھ مرتبہ 'حدود' کی اصطلاح آئی ہے وہاں سابقہ آیات میں ازدواجی زندگی کی ایسی باتوں کا تذکرہ ہے جو بالعموم بیان میں کم آتی ہیں مگر انسانی نفسیات اورمزاج کا حصہ ہیں۔ چنانچہ ازدواجی تعلقات میں حیض (MENSES) کا خیال نہ رکھنا وغیرہ۔ اس بحث میں چھ مرتبہ 'حدود' کا لفظ آنا بتاتا ہے کہ اس شعبہ زندگی میں بہت کمزوریاں ہیں جہاں انسان ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اسی لئے غالباً قرآن میں سورۃ المؤمنون اورالمعارج میں اہل ایمان کے اوصاف میں یہ بات بھی آتی ہے: و الذین ھم لفروجھم حفظون۔ یہ وہی حفاظت کا لفظ جو یہاں سورۃ توبہ کی آیت زیر بحث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ خاندانی اورازدواجی زندگی کی تفصیلات پر بحث کرتے ہوئے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ازدواجی زندگی کی خرابیاں سامنے آ بھی جائیں تو اکثر و بیشتر ان کا بیان ....ناپختہ ذہنوں اور نہ جاننے والوں کو راستہ دکھانے (EDUCATE) کے مترادف ہوتی ہے اسی لئے ان تفصیلات سے عموماً احتراز ہی اچھی روش سمجھا جاتا ہے۔

'حدود اللہ' کی ایسی تفصیلات کے لئے ایک طرف نہ ہمارے نطق کی یہ طاقت ہے نہ قلم میں مجال کہ ان کو بیان کرسکے دوسری طرف ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اورمغربی دنیا چونکہ ان میں غرق ہے اورمیڈیا کے ذریعے ہمارے نوجوان نسل میں بھی یہ باتیں پھیل رہی ہیں؛ لہٰذا ان سے بچاؤ کی تدابیر بھی ضروری ہیں۔

معرکہ روح وبدن یا دوقومی نظریہ

اخلاقی میدان میں نچلے درجے کے زوال تک پہنچے ہوئے مما لک میں امریکہ، کینڈا اور یورپی مما لک کی تو ہیں ہی مشرقی اور ایشیائی مما لک میں بھارت بہت اہمیت رکھتا ہے جہاں عریانیت اور بے حیائی ان کے مذہب کا حصہ ہے اور روایات کی جان ہے ان کی مذہبی رسومات یعنی مختلف مندروں کی زیارات اور مذہبی اسفار انسان کے اندر سفلی جذبات کو ابھارنے اور ان کے استحصال کا ذریعہ ہیں اور اس لحاظ سے بھارت مغربی اقوام سے بہت آگے ہے عالمی سطح پر انسانیت کو 'خالص حیوان' بنانے کے لئے یورپ نے بھارت کو اپنا امام بنایا ہوا ہے۔ ہندومت میں ہمارے مقابلے میں پاکیزگی اور طہارت کا الٹا تصور ہے جس سے بے حیائی کے فروغ میں مدد ملتی ہے۔ ہندومت میں مسلمان کو دیکھنے اور ہاتھ لگ جانے سے ہندو ناپاک ہو جاتا ہے جبکہ گائے کا پیشاب ان کے نزدیک دنیا کی متبرک ترین چیز ہے اور انسان کا اپنا پیشاب جمع کرنا اور پینا یہ صرف ہندومت کا طرہ امتیاز ہے۔ گزشتہ صدی میں 1980ء۔1982ء میں بھارت کے وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی برملا کہتے تھے کہ میں اپنا پیشاب جمع کرتا ہوں اور 24 گھنٹے بعد دوبارہ پی جاتا ہوں۔ یہیں سے ہندومت اور اسلام کی راہیں جدا ہوتی ہیں اور ایک صدی قبل اسی بنا پر دوقومی نظریہ کو فروغ ہوا۔ اس لئے کہ آسمانی وحی کے زیر سایہ انسان، حقیقتِ انسان، انسانی بود و باش، طرز زندگی اور ازدواجی معاملات کا ایک خاص ڈھب (STYLE) ہے اور اس سے انسانی تمدن میں حسب و نسب کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے (جبکہ ہندومت اور مغربی فکر و فلسفہ میں انسان کو ایک حیوان سمجھ کر زندگی گزارنے اور معاشرت کے اُصول طے کیے جاتے ہیں یہی چیز آسمانی وحی کے تحت زندگی گزارنے والے مسلمان معاشرے (اگرچہ آج کل مجموعی طور پر ایسے مسلمان کم ہیں) اور مغرب زدہ معاشروں میں واضح تفریق پیدا کرتی ہے اور کل وہ معرکہ جو صرف......جنوبی ایشیا کی سطح پر دو قومی نظریہ کی شکل میں سامنے آیا تھا آج وہی معرکہ حق و باطل یا معرکہ روح و بدن یا معرکہ انسانیت وحیوانیت عالمی سطح پر نسل انسانی کو درپیش ہے۔

ان حالات اور پس منظر میں اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے شیدائیوں کے لئے ذاتی زندگیوں میں انقلاب کی جدوجہد کے دوران وہ کونسی 'حدود اللہ' ہیں جن سے اجتناب ناگزیر ہے وہ واضح ہیں تاہم اپنے مدعا کو زیادہ واضح کرنے کے لئے اہم باتوں کو ترتیب وار درج کر دینا فائدے

سے خالی نہیں ہوگا......اور وہ ترتیب وار تفصیل یہ ہے:۔

☆ انسان کے ازدواجی معاملات اور مرد وزن کے باہمی قریب آنے کے معاملات میں سے پہلا مرحلہ بچوں کی تربیت کے لئے گھر کا ماحول ہے جہاں دیگر باتوں کے علاوہ 'معقول' اور 'ساتر' لباس (جس کا دین نے حکم دیا ہے) ضروری ہے تاکہ بچے کو اس عمر میں بھی (غیر شعوری طور پر) سوچ کے عدم توازن کے فتنہ سے بچایا جا سکے۔ واضح رہے کہ دور جدید میں مغربی مفکر سگمنڈ فرائڈ نے اس مسئلے کو جہاں تک پہنچا دیا ہے اُس کے لحاظ سے بھی یہ بات ضروری ہے۔ مغربی عورت کے لباس کا سٹائل ہی بچے کو سات سال کی عمر سے پہلے جنسی سوچ دے دیتا ہے جس سے معاشرتی اقدار تباہ ہو رہی ہے۔

☆ 18 سال کی عمر کے بعد ایک مسلمان کے لئے گھر، بازار، دفتر، پارک، بس، اسٹیشن، سکول، غرض جہاں بھی عورت و مرد کا اختلاط (INTERACTION) ناگزیر طور پر ہوتا رہتا ہے وہاں ضمیر انسانی کے مطابق اور دینی تعلیمات کے تحت انسان کو اپنی نظروں کی حفاظت ضروری ہے اور لك الاولى وعليك الاخرى (تمہارے لیے پہلی نظر قابل معافی اور دوسری نظر نقصان دہ ہے) کا اہتمام سوچ کی پاکیزگی کو جنم دیتا ہے۔ اگرچہ دور حاضر میں اس کا اہتمام ہمت طلب ہے تاہم کسی دور میں بھی ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح جنسی اشتعال پیدا کرنے والی تمام تصاویر، فلمیں، اخبارات، کتابیں، میوزک، اجتماعات، دوستیاں، ملاقاتیں اسی ضمن میں آتی ہیں ان کے بارے میں انسان واضح سوچ کے ساتھ آگے بڑھے اور ان سے متعارف ہو کر ہی اجتناب کی راہیں سامنے آتی ہیں اور ضمیر انسانی جھنجھوڑتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے اور دل سے دعائیں پاکیزگی کی منزل تک لے جاتی ہیں۔ زندگی کا یہ دور بھی 'حدود الله' کی حفاظت کا متقاضی ہے۔

☆ انسان کی بلوغت کی عمر کے بعد (عورت ہو یا مرد) 'حدود اللہ' کے ضمن میں سب سے ضروری 'حد' نکاح کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا النکاح من سنتی [نکاح (کا راستہ) میری سنت (کا اہم حصہ) ہے] گویا یہ بات ازخود واضح ہے کہ نکاح کے علاوہ جو راستے بھی انسان اختیار کر سکتا ہے وہ سب کے......سنت رسول ﷺ کی 'ضد' اور مخالفت اور 'حدود' سے تجاوز ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی (متفق علیہ۔عن انسؓ)

''جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''

اورکلام الٰہی میں اس کا تذکرہ دومرتبہ ان الفاظ میں آیا ہے۔

فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العٰدون O(المؤمنون۔7، المعارج۔31)

''اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں''

یعنی نکاح کے علاوہ مرد اور عورت کا ازدواج وحی اور منشائے الٰہی کے خلاف ہے اور 'حدود اللّٰه' سے تجاوز بھی ہے ایک بندہ مومن کو جنت کے حصول کے لئے جس کی 'حفاظت' کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔(واضح رہے کہ کلام پاک میں اپنی اصطلاحات کے مفہوم کی حفاظت کے لئے خود قرائن بیان کر دیئے ہیں۔جیسے 'حدود اللہ' کے ضمن میں 'والحفظون لحدود الله' کے الفاظ کی وضاحت کے لئے دوبارہ بندہ مومن کے اوصاف کے تذکرہ میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ یعنی 'حدود' کا تعلق اہل ایمان کی نجی زندگی کے بشری پہلو سے جوڑ دیا گیا اور حفاظت اور 'حافظ' کی تشریح کے لئے حافظون کا لفظ قرآن مجید کی حفاظت کے ضمن میں بھی وارد ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O (الحجر۔9)

''بے شک یہ کتاب نصیحت ہمیں نے نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں''

اور ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن مجید کو اتار کر اس کی حفاظت کے ضمن میں کیا کیا اسباب پیدا کر دیے ہیں۔اسی طرح ہمیں بھی 'حدود اللّٰه' کی حفاظت کے لئے مختلف احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ہوں گی جس کی رہنمائی قرآن پاک میں یوں ہے کہ کہیں 'حدود اللہ' کا تذکرہ کر کے فرمایا: فلا تعتدوها (ان سے باہر نہ نکلو) اور کہیں فرمایا: فلا تقربوها (ان کے قریب نہ جاؤ) گویا حفاظت کے ضمن میں ہمیں یقینی بچاؤ کیلئے موقع بہ موقع اور CASE TO CASE مناسب حفاظتی تدابیر کرتے رہنا ہوگا۔

☆ سنت رسول ﷺ سے اعراض کر کے 'رغب عن' کے تحت انسان کہاں کہاں ٹھوکریں

کھاتا ہے اس کا احصاء کسی ایک انسان کے لئے شاید ممکن نہیں اور بالفرض ممکن تو بیان سے باہر ہے (اور بیان کر دیا جائے تو اس سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے کہ ناپختہ ذہنوں کے لئے نئی بات ہوتی ہے اور لوگ اس کو اختیار کر لیتے ہیں) تاہم اس کے کچھ مراحل یا صورتیں ہیں جو سامنے رہنی چاہئیں۔

(ا) ☆ انسان تنہائی میں ہے (آج کل آسودہ حال گھروں میں بچوں کے علیحدہ کمرے ہیں) یا کبھی تنہائی میسر ہے تو بھی بندہ مومن آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کرے۔ یہاں بھی بہت ساری پابندیاں ہیں حتی کہ انسان باتھ روم یا WASH ROOM میں بھی آزاد نہیں ہوتا کہ جو چاہے کرے وہاں بھی کچھ اخلاقی اور فطری 'حدود' کا تصور ذہن میں رکھنا چاہیئے اس میں بھی بہت افراط وتفریط کے امکانات ہیں۔

☆ انسان کی تنہائی کے لمحات اس کی شخصیت و کردار کا حقیقی آئینہ ہوتے ہیں آدمی لوگوں کے سامنے ریاکارانہ طور پر مصنوعی رکھ رکھاؤ (ACTING) کر سکتا ہے مگر اس کی تنہائی کے لمحات اس کا حقیقی روپ ہوتے ہیں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ انسان تنہائی کے لمحات میں یا فرشتہ سے بہتر ہوتا ہے یا شیطان سے بدتر۔ لہٰذا ان تنہائی کے لمحات کی نگرانی ضروری ہے اور حدود اللہ کی سچی پاسداری۔ چنانچہ حافظ شیرازی کے یہ اشعار کئی مذہبی لوگوں کی نجی زندگی کا عکس بن جاتے ہیں

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند

چوں بخلوت می روند کارِ دیگراں می کنند

اللہ تعالیٰ ہمارے باطن کو بھی صالح بنادے اور ظاہر کو بھی۔ مسنون دعا ہے

اللھم اجعل سریرتی خیرا من علانیتی و اجعل علانیتی صالحۃً (ترمذی)

''اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو نیک بنادے''

☆ یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ انسان کی شخصی اور خالص نجی سطح کی زندگی میں ان 'حدود اللہ' کی خلاف ورزی کے سنگین ہونے یا نہ ہونے کی ایک حد فاصل ہے اکیلے انسان کی تنہائی کی 'لغزشیں' اور 'من مانیاں' بھی بعض اوقات مباحات کی حدود سے نکل جاتی ہیں۔ تاہم جہاں دو یا دو سے زیادہ انسان جمع ہو کر کوئی بے حیائی یا فواحش میں ملوث ہونے لگیں چاہے مرد ہوں یا عورتیں یا مرد جمع ہوں ان کے افعال و اعمال برائی کے کبیرہ درجے کو پہنچ جاتے ہیں

اور سخت قابل مذمت ہیں۔

(ب)　دو مرد یا دو عورتیں ایک کمرے میں ہوں تو ان کے بارے میں بھی 'حدود اللہ' ہیں اور وہ باہمی مشورے اور رضامندی سے جو چاہیں کرلیں اس میں آزاد نہیں ہیں یہ 'حدود اللہ' کی خلاف ورزی ہے۔ (گو مغرب نے اس کی آزادی دے دی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں دو مردوں اور دو عورتوں کی شادی جائز اور LEGAL ہے جب کہ ایک بندہ مومن کے نقطہ نظر سے یہ حد درجہ کی اخلاقی گراوٹ اور بے حیائی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے واضح طور پر منع فرمایا ہے)

مغربی تہذیب کے پیچھے چونکہ ایک مافیا ہے جو اپنے مذموم مقاصد کے لئے ایک نئی سیکولر عالمی سوچ کو جنم دے کر آگے بڑھا رہا ہے سارے مغربی ممالک اور ان کے حکمران، تاجر، ملٹی نیشنلز اس مافیا کے آلہ کار ہیں لہٰذا یہ ابلیسی اور حیوانی مہم جوئی آگے بڑھ رہی ہے اور یہ لعنت ہمارے مسلمان معاشرے میں بھی سرایت کر چکی ہے، اس لعنت سے بچاؤ کی تدابیر ضروری ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی پیروں کا (غیر محرم) مرید عورتوں سے جسم دبوانا تو غیر شرعی ہے ہی، مرد مریدوں سے بھی جسم ٹانگیں اور پاؤں دبوانا اسی قبیل کی شے ہے اور YOUNG مریدوں سے دبوانا تو اور زیادہ خطرناک ہے اور حصول لذت کے ضمن میں آتا ہے۔ (محرم رشتوں میں ایک دوسرے کو دبانا بعض مخصوص صورتوں میں اس سے مستثنیٰ ہے۔)

(ج)　نکاح کی صورت میں بھی مرد اور عورت کے تنہائی کے لمحات میں 'سب جائز' نہیں ہے وہاں بھی فطرت انسانی میں ودیعت کردہ 'بعض حدود' ہیں جن کا پاس کرنا حفاظت حدود اللہ کا حصہ ہے۔ یہ حدود کیا ہیں اور ان کی تفصیل کیا ہے؟ اس کا تذکرہ نہ ضروری ہے اور نہ فائدہ مند۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر 'ضمیر بیدار' کی قوت دی ہے جو خود انسان کو خبردار کرتی رہتی ہے اور انسان چاہے تو اس کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔ ہمارے آقا سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا: استفت قلبك ......اور دع ما يريبك الى ما لا يريبك......وغیرھما۔☆

☆　پنجاب کے معروف روحانی پیشوا اور پیر جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے عالمی شہرت رکھتے ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(د)　سورۂ بقرہ میں جہاں چھ مرتبہ حدود کی اصطلاح آتی ہے اور ساتھ ہی طلاق کے احکام

ہیں اس سے ایک اشارہ یہ بھی ہے نکاح کے پردہ میں ہر فعل جائز نہیں ہے اور اگر 'حدود' کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو طلاق کی اجازت سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس صورت میں بھی مرد طلاق دے سکتا ہے یا عورت طلاق لے سکتی ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ انسانی فطرت و سرشت کی روشنی میں اور قرآن پاک میں چھ مرتبہ 'حدود اللہ' کی اصطلاح ایک جگہ آنے میں یہ بات واضح ہے کہ ایسی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں اور معاشرہ زوال پذیر ہو اور باطل کا فروغ ہو، بے عملی اور دین سے دوری ہو تو یہ خلاف ورزیاں مزید بڑھ جائیں گی۔

دوسری طرف یہ بات بھی اپنی جگہ ــــــــــــــــــ کہ ان خلاف ورزیوں کا زیادہ تر حصہ پوشیدہ رہتا ہے اور انسان کا ضمیر ہی اس کو متوجہ کر سکتا ہے گویا عام طور پر یہ خلاف ورزیاں کسی تعزیر اور سزا کی گرفت میں نہیں آتیں۔ مزید برآں یہ بات کئی گنا اہمیت اس وجہ سے اختیار کر جاتی ہے کہ ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ تین اوقات میں (یا موقعوں پر) کراماً کاتبین ہٹا لیے جاتے ہیں جن میں ایک موقع وہ ہے جب میاں بیوی تنہائی کے لمحات میں ہوتے ہیں (یا دو انسان (مرد یا عورتیں) کسی برائی اور بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کوتاہیوں اور خلاف ورزیوں کی سزا کہاں اور کیسے ملتی ہے؟ یہ سوال بڑا دلچسپ سوال ہے یہاں اس کا موقع نہیں ہے اور کسی موقع پر اس کا جواب سامنے لائیں گے۔ ان شاءاللہ

دنیا کے تمام معاشرے تغیر پذیر رہتے ہیں اور فرسودہ نظام کی جگہ نئی سوچ اور افکار جنم لیتے ہیں اور بالآخر غالب آتے رہتے ہیں اسلام کے علاوہ تمام نظریات اور افکار کی نوعیت بالعموم

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) انھوں نے کچھ عرصہ قبل 'حیاء اور پاکدامنی' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں مغربی دنیا کی ازدواجی زندگی میں حدود اللہ سے تجاوز کی کافی تفصیل لکھ دی ہے ہمیں نہیں معلوم کہ آنجناب نے یہ تفصیلات کس کیفیت میں لکھی ہیں تاہم جو اس تفصیل میں جانا چاہے وہ اس کتاب کے متعلقہ حصے کا مطالعہ کر لے۔

ایک جیسی ہے اور ابلیسی فکر کے ساتھ خالق ارض و سماء کے احکام کی خلاف ورزی، آخرت اور وحی

کا انکار اور نتیجے کے طور پر من مانی اور خود ساختہ انسانی قانون وغیرہ(MAN MADE LAW) کے تحت زندگی گذارنا ہے۔ ایسے انقلابات کے لئے انسان کا ذاتی سطح پر ہمارے نقطہ نظر سے عیاش، بے حیاء شرابی و کبابی ہونا ایک مثبت (VALUE) شمار ہوتی ہے ـــــــــــ جبکہ نظام خلافت کے قیام کے لئے مصروف کارشیدائیوں اور فدائیوں کے لئے اجتماعی زندگی میں بھی امانت ودیانت کا سبق ہے۔

ے سبق پھر پڑھ صداقت کا امانت کا شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اور نجی زندگیوں میں بھی حیاء، پاکدامنی اور پاکیزگی کے ساتھ خالص انسانی سطح پر بھی 'حدود الله' کے قیام اور اُن کا لحاظ کرنے کا تقاضا ہے۔ یہ بات ماضی میں پہلے ادوار میں بھی بہت اہم تھی تاہم دور حاضر میں جو فتنہ دجال کا دور ہے جہاں حیوانیت اور بے حیائی پھیل چکی ہے اس کے تناظر میں شرف انسانیت کا تحفظ اسی میں ہے کہ انسان خالص گھریلو زندگی میں اور ازدواجی زندگی میں بھی 'حدود الله' کا از حد لحاظ کرنے والا ہو۔

خلاصہ کلام کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آج کا مغربی اور ترقی یافتہ معاشرہ خالصتاً حیوانی معاشرہ بن چکا ہے جو صرف بطن اور فرج کے تقاضوں کو ہی اصل زندگی سمجھ رہا ہے جب کہ انسان صرف بدن اور پیٹ کا نام نہیں بلکہ ـــــــــــ اسی میں ایک خودی اور روح بھی ہے۔ بقول اقبال ع نقطۂ نوری کہ نام اُو خودیست

یا ے ہے نور تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں

غافل تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

کے مصداق انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے اور درحقیقت 'روح' اس مجموعہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے جبکہ آج کے مغربی معاشرے اور خالص اسلامی معاشرے کا تقابل کریں گے تو آج کے معاشرہ میں انسان صرف بدن اور حیوانی وجود کا نام ہے۔ اس کے برعکس وحی آسمانی کے تحت وجود میں آنے والا معاشرہ اور خلافت راشدہ کے ماتحت مطلوب معاشرہ جسمانی تقاضوں کو کسی قدر دبا کر (اور کنٹرول کر کے) روحانی تقاضوں اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے فروغ کا مظہر ہے یعنی جسم کو کسی حد

تک نظر انداز کر کے صرف 'روح' کو جولانی کے لئے سازگار فضا فراہم کرنے کا نام ہے۔ گویا آج کی مغرب و مشرق کی جنگ اور آویزش 'بدن' اور 'روح' کے تقاضوں اور بدن اور روح کی جنگ ہے

ے
دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح بدن پیش
ابلیس نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اے کاش ——— کہ نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد میں مصروف خواتین و حضرات اس پہلو سے بھی دینی تقاضوں کو پورا کرنے والے بن جائیں۔ آمین یارب العالمین

———

رئیس الاحرار، بے مثال خطیب، بحالیٔ خلافت اسلامیہ کے نقیب

مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ

1878ء۔1931ء

انجینئر مختار فاروقی

مولانا محمد علی جوہر 10 دسمبر 1878ء کو رامپور میں پیدا ہوئے تو سقوط دہلی کو 21 برس گزر چکے تھے اور سرسید کی 'اسبابِ بغاوت ہند' بھی منظر عام پر آ چکی تھی، علی گڑھ کے مدرسہ کا بھی باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا، دو سال کی عمر میں ہی والد (بعمر 30۔32 سال) انتقال کر گئے۔ والدہ نے بیوگی میں ہی بچوں کی پرورش کی اور ناخواندہ ہونے کے باوجود بچوں میں اسلامی جذبۂ حریت بھر دیا، گھریلو ماحول اچھا میسر آیا۔ برطانوی استعمار کی چیرہ دستیوں اور مسلمانوں پر بے پناہ مظالم نے اس عشرے میں پیدا ہونے والے دیگر مسلم زعماء کی طرح محمد علی کے دل میں بھی مغرب اور مغربی استعمار کے خلاف نفرت کو بھڑکا دیا۔ آپ کی شخصیت سازی میں آپ کی والدہ کا بہت حصہ ہے۔ آپ نے علی گڑھ سے بی اے کیا، آکسفورڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے 1902ء میں واپس آئے۔ تیس سال کی عملی زندگی گزار کر 4 جنوری 31ء کو لندن میں وفات پائی اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے۔

اُنہوں نے زندگی بھی بڑے سلیقے کی گزاری اور انہیں مرنا بھی خوب سلیقہ کا نصیب ہوا۔ ع سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر ﷺ گزشت

مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ نے جس زمانے اور ماحول میں شعور کی آنکھ کھولی اور پرورش

پائی وہ 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد انگریزی مظالم کی طویل تاریک رات کا زمانہ تھا جس میں آزادی کے متوالوں بالخصوص مسلمان زعماء اوران کے متوسلین ومعتقدین کوچن چن کرتختہ دار پر لٹکا دیا گیا تھااور بالغ نظراور MATURE قیادت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ 1860ءاور 1870ء کے عشرے کے دوران برطانوی استعمار کے منحوس سائے میں جنوبی ایشیا میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی رہی۔ جبراور گھٹن کے اس ماحول میں وہ شخصیات پیدا ہوئیں جو آگے چل کر مسلمانوں کے لئے آزادی کے پیامبر اور اُمت مسلمہ کی بیداری اور دکھوں کے مداوا کے لئے مسیحا ثابت ہوئے۔ محمد علی جناح (قائداعظم) ولادت 1876ء ٹھٹھہ، محمد اقبال (علامہ) ولادت 1877ء سیالکوٹ، محمد علی جوہر ولادت دسمبر 1878ء رامپور ———— برطانوی غلامی سے آزادی کے مجاہدین میں سے چندنمایاں نام ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر نے ابتداء میں بروڈہ کی سول سروس میں ملازمت اختیار کی، اس عرصے میں وہ سیاسی طور پر بیدار ہو چکے تھے۔ 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے قواعد وضوابط کی تیاری کا کام آپ نے سرانجام دیا تھا۔ اس وقت کے کثیر الاشاعت اخبار 'ٹائمز آف انڈیا' میں قومی مسائل پر آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے، آپ نے شاعری کا لب ولہجہ بھی اختیار کیا تاہم ساری سرگرمیوں کا حاصل برطانوی استعماراوراس کے پس پردہ یہودی صیہونی ذہن سے نجات حاصل کرنا اور عالم اسلام میں نئی روح پھونکنے کا عزم تھا اسی لئے وہ صحافت وسیاست سے وابستہ تھے آپ کی حق گوئی اور بے باکی کی بلند آواز برطانوی ایوانوں میں بھی لرزہ طاری کرتی تھی اور ملک کے طول وعرض میں لوگوں کو میدان عمل میں لے آتی تھی۔ برطانوی ہند کے طول و عرض میں حالت محکومی میں ایک عوامی تحریک برپا کر دیناان کی خداداد صلاحیتوں کا بیّن ثبوت ہے۔

تحریک بحالیٔ خلافت یا تحریک خلافت 1919ء۔ 1924ء برعظیم پاک وہند کے طول وعرض میں ابھرنے والے مسلم جذبے کی ترجمان اوراتنی زوردار تحریک تھی کہ ایک طرف ہندو اس تحریک میں شامل ہو کر اپنا تشخص برقرار رکھنے پر مجبور ہوا اور برطانوی سامراج کا تخت ڈول گیا۔ ہندو کو خوف پیدا ہوا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہوگئی تو مسلمان مستقبل کے حکمران ہوں گے لہٰذا گاندھی اور نہرو بھی بحالی خلافت کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ کہاں ہندو اپنی سرزمین پر مسلمانوں کو

علیحدہ وطن دینے پر آمادہ نہیں تھا اور انتقامی جذبات رکھتا تھا اور کہاں مسلمانوں کی مرکزیت اور بحالی خلافت کی تحریک میں شمولیت۔

یہ تحریک خلافت کیوں برپا ہوئی اور اس کے مقاصد کیا تھے؟ آیئے ذرا اس کی تفصیل میں جاتے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کا پہلا عروج عربوں کی زیر قیادت ہوا تھا دور بنواُمیہ 661ء۔752ء (40ھ تا 132ھ) اور دور بنوعباس 752ء۔1258ء (132ھ۔656ھ) چھ صدیوں پر محیط ہے سقوطِ بغداد تاتاریوں کے ہاتھوں ہوا۔ ہلاکو خان، چنگیز خان، منگولیا (چین) سے آئے تھے مگر دو صدیوں کے اندر ہی جنہوں نے مسلمانوں کو فتح کیا تھا انہیں اسلام کی حقانیت نے فتح کرلیا اور ایک ہی وقت میں ہند میں مغلیہ سلطنت، ایران میں صفوی سلطنت اور ترکی میں عثمانی سلطنت قائم ہوئی یہ تینوں انہیں قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سطوت وعظمت اور مرکزیت کے لحاظ سے عثمانی حکومت بہت آگے تھی۔ سلطان محمد فاتح نے 1452ء میں قسطنطنیہ فتح کر کے عیسائیت اور قیصر روم کی باقیات کا غرور خاک میں ملا دیا، جس سے مشرقی یورپ کی طرف اسلام کا دروازہ کھل گیا۔ (یاد رہے کہ مغربی یورپ میں اسلام 711ء (93ھ) میں طارق بن زیاد رحمہ اللہ کے ہاتھوں پہلے ہی جا چکا تھا۔ 1492ء تک مسلمان حکمران رہے۔ اسپین اور مغربی یورپ' ترقی، تعلیم اور سائنسی ایجادات میں عربوں کے زیر احسان ہیں)

1452ء کے بعد مسلمان مشرق سے یورپ میں داخل ہوئے تو ظالم حکمرانوں کے چنگل میں پھنسے اور رومی جبر وظلم کے مارے یورپی عوام کو سکھ کا سانس لینے کا موقع ملا اور دیکھتے ہی دیکھتے روسی ترکستان اور سارا مشرقی یورپ عثمانی سلطنت کے زیر نگین آ گیا اور مسلمان افواج فرانس کے دل پیرس کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

عثمانی سلطنت کی حدود مشرق وسطی کے ساتھ ساتھ شمالی اور وسطی افریقہ کے سارے آباد علاقوں تک وسیع تھیں جنوبی افریقہ اس وقت تک ویسے ہی بے آباد تھا۔ 1750ء کے عشرے تک امریکہ جانے والے لوگ مراکش کے ساحل پر عثمانی سلطنت کو ٹیکس دیتے تھے اور یورپی ماہی گیر عثمانی سلطنت کی اجازت کے بغیر امریکہ سفر نہیں کر سکتے تھے۔

عثمانی سلطنت مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی نقیب اور مسلم تہذیب وثقافت کی آئینہ دار تھی ساری دنیا کے علاقائی مسلمان حکمران سلطنت عثمانیہ کا اجازت نامہ حاصل کرتے تھے حتیٰ کہ مغلیہ خاندان کے حکمران بھی عثمانی خلافت کے تابع تھے اور اسی میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

عثمانی سلطنت کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ 1750ء کے لگ بھگ فرانس کے شہر پیرس میں پہلا نائٹ کلب (بے حیائی کا اڈہ) قائم ہوا اور اس کی اطلاع عثمانی خلیفہ کو ہوئی تو اس کو علماء نے مشورہ دیا کہ اس 'برائی' کو 'نہی عن المنکر' کے تحت روکنا ضروری ہے ورنہ یہ بُرائی مسلم علاقوں میں بھی پھیل جائے گی۔ عثمانی حکمران نے فرانس کی حکومت کو خط لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے ملک میں ایک 'نائٹ کلب' کھلا ہے اس کو بند کردو ورنہ ہم تمہارے ملک پر حملہ کر دیں گے اور قارئین حیران ہوں گے کہ وہ نائٹ کلب بند کر دیا گیا۔

یورپی استعمار ــــــــــــ صنعتی ترقی اور سائنسی ایجادات کے ساتھ اُٹھا، مشینوں کی ایجاد سے کارخانوں میں پیداوار بڑھی تو تیار کردہ مال کے لئے منڈیوں کی تلاش کا مرحلہ آیا۔ تاہم برطانیہ، فرانس، سپین، پرتگال، جرمنی، بلجیم، اٹلی سب کو احساس تھا کہ مشرق میں اور جنوب میں پورا افریقہ عثمانی سلطنت ہے لہٰذا انہوں نے مغرب میں امریکہ اور بڑی کوشش سے رأس امید (جنوبی افریقہ) سے ہوکر ہندوستان اور مشرق بعید کے ممالک کو اپنی کاروائیوں کا نشانہ بنایا اور قبضہ کر کے اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یورپی ممالک بالخصوص برطانیہ نے عثمانی سلطنت سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر سازشوں، بے عہدیوں، غداریوں اور مسلمانوں کے اندر گھس کر (نام نہاد، مسلمان بن کر) کام کیا ہے۔ 'ہمفرے کے اعترافات' نامی کتاب ملتی ہے اس میں درج تفصیلات سے برطانوی کارپردازوں کے ابلیسی ذہن، اخلاق وکردار سے حد درجہ گری ہوئی حرکات، بے حیائی کے فروغ اور بے اُصولی کے پرلے درجے کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے اور سلطنت عثمانیہ کو کمزور کرنے کی صدیوں پر پھیلی ہوئی شیطانی کوششوں کا سراغ ملتا ہے۔

'ہر کمالے را زوال' کے مصداق یہ سلطنت عثمانیہ بھی انیسویں صدی کے آخر میں آکر کمزور پڑ گئی اور بیسویں صدی کے آغاز میں تو ڈگمگانے لگی۔ علامہ اقبال نے اسے 'مردِ بیمار' کہا

ہے۔ پہلی جنگ 1914ء۔1918ء میں ترکی نے جرمنی اور آسٹریا کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جرمنی کی شکست کے بعد ترکی کو بھی اس کے نتائج بھگتنا پڑے۔ اس جنگ میں برطانیہ نے مشرق وسطیٰ کے علاقے میں اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کردی۔ 1917ء میں برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ایک ڈیکلریشن کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے اور جائیداد خریدنے کی اجازت دے دی۔ پہلے انہیں اس کی اجازت نہیں تھی۔

1919ء میں جنگ کے خاتمے پر ایک کانفرنس میں عثمانی حکومت کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس سے برطانوی ہند کے مسلمانوں کو میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ خلافت بھی عملاً ختم کردی گئی، مصطفےٰ کمال اتاترک کو صدر بنا دیا گیا اور ترکی نام سے ایک ملک باقی رہ گیا ساری عثمانی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے، مشرقی یورپ کی ساری ریاستیں آزاد ہوگئیں، مشرق وسطی میں کئی آزاد ممالک بنا دیے گئے جو برطانیہ کے زیر اثر رہے۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کا برطانیہ کے محکوم مسلمانوں نے بہت اثر لیا اور ملک گیر احتجاج کا پروگرام بنا کہ برطانوی حکومت یہ فیصلہ واپس لے، 'تحریک خلافت' کے نام سے تحریک جاری ہوئی جس کا آغاز اجتماعی جلسوں سے ہوا۔ 27اکتوبر 1919ء کو یوم خلافت منایا گیا اور ملک بھر میں کاروبار بند رہے، مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے 'ہفتہ تقریبات امن' کا بھی بائیکاٹ کیا۔

آل انڈیا سنٹرل خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس 24 نومبر 1919ء کو مسٹر فضل الحق کی زیر صدارت دہلی میں ہوا' اس میں مسٹر گاندھی، مسٹر نہرو اور پنڈت موہن مدن دہلوی بھی شریک ہوئے، مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ہندوں کی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ 1920ء میں خلافت کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ ایک وفد یورپی ممالک اور مسلم ممالک میں بھیجنے کا فیصلہ ہوا تاکہ ان ممالک کی حمایت حاصل کی جاسکے۔ دوسری طرف برطانیہ اور یہودی ذہن ترکی کی خلافت پر پروپیگنڈا کررہا تھا تاکہ خلافت کے خاتمے کے لئے فضا ہموار ہو۔ وفد مشرق وسطی سے ہوکر لندن گیا۔ وزیراعظم وغیرہ سے ملاقاتیں بھی ہوئیں مگر بے سود۔ اس لئے کہ جنگ کے بعد کے اقدام یہودی کانگریس کے 1897ء کے خصوصی اجلاس کے فیصلوں کے مطابق پہلے ہی طے شدہ تھے اور 'فرنگ کی رگ جان پنجہ یہود میں ہے' کے مصداق مسلمانوں کی اجتماعیت کے خلاف یہ فیصلے ہرطرف سے

ایک ہی مشن کے لئے مدد ومعاون تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہواور اسرائیل کا قیام عمل میں آئے۔ یہ وفد یورپ کے دیگر ممالک اٹلی فرانس سے ہوتا ہوا واپس پہنچا۔ ستمبر 1920ء میں یہ طے پایا تھا کہ عدمِ تعاون کی ملک گیر تحریک چلائی جائے۔ اس پروگرام کی کانگریس، جمعیت علمائے ہند اور خلافت کمیٹی نے بھرپور حمایت کردی۔ اس کے لئے تعاون کی عملی اپیل ہوئی تو اس کا بھرپور مثبت عوامی ردّعمل سامنے آیا۔ دراصل ہندو چاہتا تھا کہ مسلم قیادت ہجرت کر کے ہندوستان سے چلی جائے جس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں سے نمٹنا آسان ہوجائے گا۔

کامیاب تحریک چلی ہزاروں گرفتاریاں ہوئیں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین، پیر غلام مجدد وغیرھم کو دو دو سال کے لئے قید کر دیا گیا جس سے تحریک کو زبردست دھچکا بھی لگا اور قیادت کے خلا سے تحریک شدت پسند ہوگئی اور متعدد تشدد کے واقعات رونما ہوگئے جس سے حکومت نے اس تحریک کو سختی سے کچل دیا۔ اس تحریک کو سب سے زیادہ نقصان دہ برطانیہ کے سازشی ذہن کی پیداوار مصطفےٰ کمال اتاترک کا اقتدار تھا جو منصوبہ سے حکمران بنا اور بالآخر مارچ 1924ء میں مسلمانوں کا نظام خلافت ختم کر کے اسلامی شریعت کے قوانین منسوخ کردیے اور رومن لاء اور مغربی جمہوری نظام نافذ کردیا۔

چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ غیروں کی عیاری بھی دیکھ

تاہم اس موقع پر گاندھی نے جس طرح آخری دنوں میں اسی تحریک کا اختتام کیا اس سے مسلمانوں کے بارے میں ہندو ذہن سامنے آ گیا اور مسلمانوں کے دلوں میں بظاہر ہندو دوستی کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوگئے۔ تحریک خلافت بظاہر بے نتیجہ رہی۔ تحریک خلافت کی ناکامی کے باوجود اس پانچ سالہ جدوجہد نے ملک کے طول وعرض اور عالمی سطح پر بھی مسلمانوں کی عمومی بیداری میں بڑا کلیدی کردار ادا کیا۔

مسلم اکابر پر مقدمات کا سلسلہ چلا اور غداریوں کے مقدمات میں سزائیں بھی ہوئیں تاہم برطانوی ہند میں جہاں 1857ء کے بعد مسلمان اُمت میں خوف اور بے حسی پھیلی ہوئی تھی اس تحریک کے نتیجے میں اس خوف میں شدید کمی آئی اور مسلمان بھی آزادی کے لئے جاری جدوجہد

کے دھارے میں شامل ہوگئے۔اس عمومی مسلم بیداری و شاندار تحریک اور ملک گیر حرکت نے جو اُمید کی ایک کرن پیدا کردی تھی اس کے پیچھے علامہ اقبال کی امید افزا شاعری کو بھی بہت زیادہ دخل تھا۔علامہ اقبال 1911ء میں لاہور میں شکوہ اور 1913ء میں جوابِ شکوہ مسلمانوں کو سنا چکے تھے اوراس کی داد بھی پا چکے تھے۔اس شکوہ رجوابِ شکوہ کا شہرہ ملک گیر تھا اور عوام وخواص سبھی اس سے متاثر ہوئے تھے۔ پھر علامہ اقبال اپنی شاعری میں اسلام کے شاندار مستقبل سے پردہ اُٹھا کر مسلمان اُمت کے دلوں کو گرما رہے تھے۔اسی دوران میں یہ تحریک برپا ہوئی اور شاندار انداز میں ملک گیر سطح پر بیداری کی لہر آئی اور علامہ اقبال بھی اس سے مسلمانوں کے بارے میں مایوسی کی فضا میں مثبت اور امید افزا تاثر لئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ طلوعِ اسلام نظم میں اسلام کے شاندار مستقبل کے بارے میں مسلمانوں کے حالات پر گفتگو کرتے ہیں۔اس نظم کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں:

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی　　افق سے آفتاب ابھرا، گیا دور گراں خوابی
عروق مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا　　سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی
مسلماں کو مسلماں کردیا طوفان مغرب نے　　تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مؤمن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے　　شکوہِ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی
سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا　　خلیلؑ اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضاء کی پھر شیرازہ بندی ہے　　یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا!
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے　　کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!
ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو' زباں تو ہے　　یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
حنا بند عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا　　تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے!
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا　　کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بتان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی ، نہ افغانی

ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمّل سے　تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی!
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں　جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا　نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہانگیری　یہ سب کیا ہے؟ فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں!
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے　ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
یقیں محکم ،عمل پیہم ، محبت فاتح عالمؒ　جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبعِ بلندے، مشربِ نابے
دل گرمے ، نگاہِ پاک بینے ، جانِ بے تابے

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی　یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
پھر اُٹھی ایشیا کے دل سے چنگاری محبت کی　زمیں جولانگہِ اطلس قبایانِ تتاری ہے!

علامہ اقبال کی اس نظم سے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیافت اور مستقبل میں اس کی نشأۃ ثانیہ کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا اور مسلمانوں میں برطانوی غلامی سے آزادی کے لئے جدوجہد کا جذبہ پہلے سے کہیں زیادہ زور آور ہو گیا۔

1920ء کی دہائی علی برادران کے ملک گیر سطح پر عروج کا دور ہے جس میں محمد علی جوہر نمایاں تھے دیگر رہنمایاں جو سیاسی سطح پر سرگرم تھے وہ اور تھے۔اس تحریک سے مسلمانوں میں عمومی بیداری کی لہر اُٹھی اور ملک کے طول وعرض میں کئی انجمنیں اور سوسائٹیاں وجود میں آگئیں اور اپنی اپنی سطح پر علاقائی بنیادوں پر سرگرم عمل ہوئیں۔ مدراس کی محمڈن سوسائٹی کے تحت خطبات مدراس مولانا سید سلیمان ندوی اور علامہ اقبال کے RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM اسی دور کے ہیں حتی کہ مسلمان رہنماؤں نے جن کا ہاتھ حالات کی نبض پر تھا دسمبر 1930ء میں آلہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس طے کیا۔اللہ تعالیٰ نے یہ موقع خاص طور پر پیدا فرمایا تھا محمد علی جناح برطانوی ہند میں ہندو ہٹ دھرمی سے مایوس ہو کر لندن چلے گئے تھے۔مسلم لیگ کے روایتی صدر آغا خان جو اس تحریک خلافت کے دوران بھی انگریز کے اشاروں پر ہی عمل پیرا رہے صدارت سے علیحدہ ہو کر ملکہ

برطانیہ کے قدموں میں پریوی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے جا بیٹھے تھے۔ان حالات میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس عام کے لئے نگاہیں کسی شخصیت کی تلاش میں تھیں کہ دسمبر 1930ء میں ہی برطانیہ میں پہلی گول میز کانفرنس کا انعقاد طے پایا جس میں چوٹی کے مسلم زعماء کو بھی جانا پڑا اور مولانا محمد علی جوہر اس وفد میں شریک تھے لہٰذا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے لئے صدارت کا قرعہٴ فال رب ذوالجلال کی طرف سے علامہ اقبال کے نام نکلا جو قدرت کے طے شدہ پروگرام کے مطابق بڑا حکیمانہ فیصلہ تھا اور آنے والے دور کا نقطہ آغاز بن گیا اسی سالانہ اجلاس کی صدارت کے موقع پر علامہ اقبال نے صدارتی خطبہ میں ہی دوقومی نظریہ اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کا نقشہ سامنے رکھا تھا جس سے ملک کے طول وعرض میں جاری مسلمانوں کی آزادی کی جدوجہد اور بیداری کو ایک نصب العین اور منزل مل گئی اور پاکستان کے قیام کی راہ ہوگئی۔

لندن میں گول میز کانفرنس کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر اور دیگر زعمائے ملت نے مسلمانوں کے جذبات کی بھرپور نمائندگی کی اور آزادی پر زور دیا۔حتیٰ کہ مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا کہ تم مجھے آزادی دو ورنہ قبر کے لئے جگہ دو میں ایک غلام ملک میں نہیں مرنا چاہتا اور نہ غلام ملک میں دفن ہونا چاہتا ہوں۔اللہ نے اس مطالبے میں جان ڈال دی اور مولانا جوہر بیمار ہو کر 4 جنوری 1931ء کو ہی برطانیہ میں انتقال کر گئے۔اس صورت حال سے برطانیہ کو بڑی پریشانی ہوئی اور مولانا محمد علی جوہر کی میت کو ہندوستان لانا ممکن نہیں رہا جبکہ برطانیہ میں دفن کرنے کا انتظام کرنا بھی ہند کی آزادی کے پروانے پر دستخط کرنے والی بات تھی۔لہٰذا بڑی کوشش اور مذاکرات کے بعد مولانا کو فلسطین لے جا کر بیت المقدس کے قریب دفن کیا گیا۔یہ وہی جگہ ہے جہاں سے حضرت محمد ﷺ معراج کی شب مکہ سے زمینی سفر کے بعد پہنچے تھے اور یہاں سے آسمانی سفر شروع ہوا تھا اور واپسی بھی یہیں ہوئی تھی۔شاعر نے اسی لئے مولانا محمد علی جوہر کی وفات اور تدفین پر کہا کہ

ع سوئے گردوں رفت زآں راہے کہ پیغمبرؐ گزشت

مولانا محمد علی جوہر بیک وقت افسانہ نگار، شاعر، صحافی، اعلیٰ مقرر، مؤرخ، زبردست انشاء پرداز اور بہت بڑے لیڈر بھی تھے۔تحریک خلافت میں ان کی فدائیت اور جانثاری کا جذبہ دیدنی تھا۔اسی

موقع پراُن کی والدہ نے کہا تھا کہ جان بیٹا خلافت پہ دے دو۔انہوں نے اس کو نظم کر دیا اور یہ نظم پورے ملک میں پھیل گئی اور زبان زدعوام وخواص ہوگئی۔تحریک خلافت کے دوران یہی نعرہ زبانوں تھا:

بولی امّاں محمد علی کی　　　جان بیٹا خلافت پہ دے دو

خدا رحمت فرمائے مولانا محمد علی جوہر پر......خوب آدمی تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ آرام بخشے۔آمین

یہ سیمینار 3 فروری 2008ء بروز اتوار صبح 9:00 بجے تا 12:00 بجے منعقد ہوا۔ جس میں معروف علماء، فضلاء، وکلاء اور پروفیسر حضرات نے علی برادران اور تحریک خلافت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔

قرآنِ حکیم کی معجزانہ ترتیب

ماخوذ از 'قرآن پاک ایک چیلنج ایک سائنسی معجزہ'

مصنف: انجینئر سلطان بشیر محمود

1۔ معجزانہ ترتیب کی دریافت

قرآن حکیم میں سورتوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے کہ بعض اوقات ایک سوچنے والا مخلص مسلمان بھی حیران ہو جاتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ کلام اللہ کی بعض سورتیں بہت لمبی ہیں جیسے سورۃ البقرہ جو ڈھائی سپاروں پر محیط ہے اور بعض اس قدر چھوٹی مثلاً سورۃ الکوثر جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے۔ آخر سورتوں کے حجم میں واضح اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

دوسرا سوال پاروں اور سورتوں کی ترتیب کے متعلق اٹھتا ہے۔ اس میں کیا خاص حکمت ہے کہ پہلی سورۃ فاتحہ سات آیات کی ایک چھوٹی سورۃ ہے لیکن اس کے بعد یکے بعد دیگرے لمبی لمبی سورتیں رکھی گئی ہیں۔ درمیانی سپاروں میں سورتیں بھی درمیانی لمبائی کی ہیں اور آخر قرآن میں چھوٹی چھوٹی سورتیں سجائی گئی ہیں لیکن اس میں بھی کئی جگہ استثنا فرمایا گیا ہے۔ اور پارے تیس ہیں، کم یا زیادہ کیوں نہیں؟

یہ سوال ایک عرصہ سے مصنّفین میں سے ایک (سلطان بشیر الدین محمود) کے ذہن میں بھی تھا۔ اس کی وجہ صرف تجسس اور ایک محقق کی نظر سے تھی ورنہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم کی جو ترتیب بھی ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہے۔

اس الجھن کا ایک عام سا جواب تو یہ دیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں سورتوں کی ترتیب قاری کی سہولت کی خاطر رکھی گئی ہے۔ نماز کی قرات میں اکثر پڑھی جانے والی سورتیں آخری پاروں میں رکھ دی گئیں اور قانون، سماجی انصاف، اعتقادات اور دیگر انسانی مسائل پر مشتمل سورتوں کو پہلے سپاروں میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ سوسائٹی کی پہلی ضرورت ہیں۔ لیکن یہ دلیل کوئی زیادہ وزنی معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ نماز میں پڑھنے کے لئے کوئی سورۃ مخصوص نہیں اور قرآن پاک کی حکمت ساری کتاب میں برابر ملتی ہے سوسائٹی کے لئے بھی احکامات جگہ جگہ آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ مدنی سورتیں اکثر لمبی تھیں اور مکی چھوٹی اور ترتیب میں مدنی سورتوں کو فوقیت دی گئی لیکن اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں۔ قرآن حکیم کی ترتیب مکی یا مدنی سورتوں کے لحاظ سے نہیں ہے۔ مکی سورتوں میں بھی سورۃ اعراف اور سورۃ انعام خاصی لمبی ہیں جو ترتیب کے لحاظ سے ابتدا میں رکھی گئی ہیں اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی ترتیب نزولی نہیں بلکہ بسا اوقات ایک ہی سورۃ میں مکی اور مدنی آیات شامل ہیں اور سورتوں کی ترتیب کا بھی نزول کے ساتھ کوئی ربط نہیں۔

غرض اوپر دی گئی تمام تر توضیحات غیر حقیقی معلوم ہوتی ہیں اور ماسوائے اس کے کہ یہ 'ترتیب قرآن' اللہ تعالیٰ کا اپنا ہی راز ہے' کچھ اور نہیں کہا جا سکتا لیکن چند بے ادب قسم کے دانشور جب اپنی عقل سے کوئی اطمینان بخش جواب نہ پا سکے تو یہ رائے گھڑ دی کہ (نعوذ باللہ) قرآن پاک کے جمع کرنے میں کسی خاص ترتیب کو مدنظر نہیں رکھا گیا تھا بلکہ جہاں اور جیسے جمع کرنے والوں کو آسان نظر آیا، انہوں نے ویسے ہی انہیں لکھ دیا یعنی موجودہ ترتیب بلا حکمت ہے۔

جہلا اور منافقین کا یہ گروہ اپنی اس بے تکی رائے کے وقت یہ بھول جاتا ہے یا دل سے مانتا ہی نہیں کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کی حفاظت خود خالق کائنات نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق ایسی لغو بات ہرگز زیب نہیں دیتی۔

مصنف (سلطان بشیر محمود) کو کلام اللہ کے دشمنوں کی پھیلائی جانے والی اس سازش سے نہ صرف قلق تھا بلکہ وہ فکرمند بھی تھا کہ قرآن پاک کی ترتیب میں حکمت پنہاں ہے وہ کھل کر

سامنے آجانی چاہیے تا کہ مسلم نوجوان' منافقین کے پراپیگنڈہ کے خلاف اپنے ایمان کا دفاع کر سکیں۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل تھا کہ اس کی دعا سنی گئی اور قرآن حکیم کی ترتیب کے کچھ معجزانہ پہلو اس پر آشکار کر دیے گئے۔ چنانچہ 1994ء کی ایک رات جب وہ نماز عشاء ادا کر رہا تھا تو وتروں کی آخری رکعت میں اس نے سورۃ الکوثر پڑھی اور ساتھ ہی خیال آیا: یا اللہ اپنی حکمت تو ہی جانتا ہے لیکن حیران ہوں کہ تین آیات کی یہ سب سے چھوٹی سورۃ بھی آخری نہیں!۔ اس فکر کے نتیجہ میں دوران نماز ہی خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ ایک عمیق حسابی مسئلہ ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کے سپاروں اور سورتوں کے درمیان ایک گراف لگاؤ اور پھر دیکھو تو بات سمجھ آجائے گی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور جب رات ڈھائی بجے نقاط کے درمیان گراف کھینچا گیا تو جو کچھ سامنے نظر آیا عقل حیران تھی۔ اس قدر خوبصورت گراف جیسے لڑی میں ہیرے پروئے ہوں۔ گراف کیا ہے حساب کا ایک لاجواب کلیہ ہے جو قارئین کے لئے اگلے صفحات پر پیش کیا جاتا ہے۔

2۔ معجزانہ ترتیب کا تجزیہ اور عظیم حکمتیں

اس معجزانہ ترتیب کو سمجھنے کے لئے پہلے آپ جدول نمبر 1 پر غور فرمائیں۔ یہ جدول اللہ کی کتاب کے تیس سپاروں اور ایک سو چودہ سورتوں کے درمیان ہے۔ فہرست 'ب' سپاروں کو ظاہر کرتی ہے اور 'ج' ہر سپارے کے سامنے شروع سے اس سپارے کے اخیر پر سورتوں کی تعداد ہے مثلاً پہلے پارہ میں دو سورتیں ہیں اور دوسرے پارے کے اخیر تک بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں۔ البتہ تیسرے پارے میں سورۃ آلِ عمران کا آغاز ہوا۔ یوں تیسرے پارے کے اخیر تک قرآن حکیم کی سورتوں کی تعداد تین ہوگئی۔ یہ سورۃ چوتھے پارہ میں ختم ہو جاتی ہے اس لئے اب تک تین سورتیں ہی ہیں۔ سورۃ النساء چوتھے سپارے سے شروع ہوتی ہے اور پانچویں سپارے کو بھی کراس کر جاتی ہے اور چھٹے سپارے میں ختم ہوتی ہے اور یہاں سے ایک نئی سورۃ شروع ہوئی اور یوں اس سپارے کے آخر تک قرآن حکیم کی صرف پانچ سورتوں کا آغاز ہوا۔ یوں یہ سلسلہ چلتا جاتا ہے اور بارہویں پارے کے آخر تک بارہ سورتوں کا آغاز ہو چکا ہے لیکن اس کے بعد کی سورتیں چھوٹی ہونے کی وجہ سے جلدی جلدی شروع ہوتی ہیں۔ بیسویں پارے تک انتیس (29)

سورتیں آچکی ہیں، اکیسویں پارے کے اخیر تک تینتیس(33) ہوگئیں اور بائیسویں کے اخیر تک چھتیس(36)، پچیسویں تک پینتالیس(45) اوراٹھائیسویں تک چھیاسٹھ(66) اورتیسویں(30) کے اخیر تک پوری ایک سوچودہ سورتیں مکمل ہوئیں۔

جدول نمبر 1 قرآن کریم میں سورتوں اور پاروں کی ترتیب

پارہ نمبر	آخری پارہ تک سورتوں کا نمبر شمار	پارہ نمبر	آخری پارہ تک سورتوں کا نمبر شمار
ب	ج	ب	ج
1	2	16	20
2	2	17	22
3	3	18	25
4	4	19	27
5	4	20	29
6	5	21	33
7	6	22	36
8	7	23	39
9	8	24	41
10	9	25	45
11	11	26	51
12	12	27	57
13	14	28	66
14	16	29	77
15	18	30	114

گراف نمبر 1

قرآن حکیم کے پاروں اور سورتوں کے درمیان تعلق کا گراف

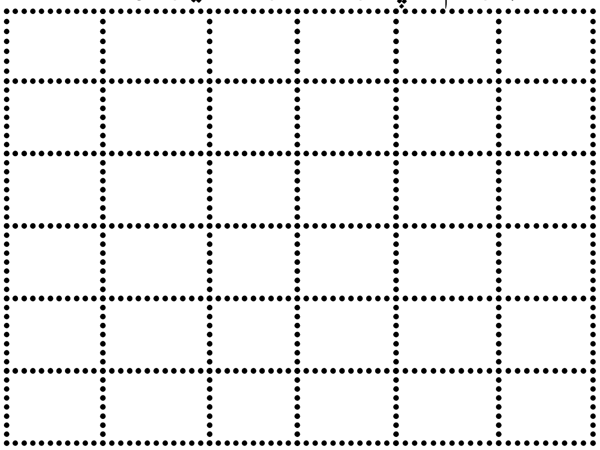

کسی پارہ کے اخیر تک سورتوں کی تعداد

پارہ نمبر

3۔ معجزانہ گراف

شاید ابھی تک آپ نے اس حساب میں کوئی خاص بات محسوس نہ کی ہوگی ماسوائے یہ کہ شروع میں سپارے زیادہ ہیں اور سورتیں کم اور بعد میں سورتوں کی آمد میں بہت تیزی ہے۔ لیکن اس کی صحیح صورت اس وقت واضح ہوتی ہے جب سورتوں اور سپاروں کی ترتیب کے درمیان

حسابی گراف کھینچا جاتا ہے، یہ گراف ترتیب کا ایک معجزہ ہے جو عقل کو مبہوت کرنے کے لئے کافی ہے، یہ ایک بالکل عجیب اور غیر متوقع صورت حال کی نمائندگی کرتا ہے۔ نقاط کو جوڑنے سے کوئی بے جھول خطوط کی شکل نہیں بنتی بلکہ ایک نہایت خوبصورت قوس بنتی ہے، ایسی قوس کا بننا ایک دور از قیاس بات ہے۔ ایک سائنسدان اور حساب دان اس حسین تناسب کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ اس کے لئے یہ گراف اس بات کی منہ بولتی تصویر ہے کہ قرآن حکیم کی سورتوں اور سپاروں میں ایک معجزانہ تعلق ہے جو کسی مخصوص حکیمانہ حسابی کلیہ کے مطابق ہے اور اس لحاظ سے سورتوں اور سپاروں میں اس کی تقسیم بے مثل بھی ہے اور عجیب بھی۔

آپ میں سے جو سائنس کے طالب علم ہیں۔ انہوں نے مختلف سائنسی تجربات کے دوران کئی گراف بنائے ہوں گے اور ان کا اپنا مشاہدہ ہوگا کہ گراف کے نقاط ہمیشہ ہی اِدھر اُدھر ہوتے ہیں اور پھر ان کے درمیان ہلکے ہاتھ سے ایک لائن کھینچ دی جاتی ہے جو مقادیر کے درمیان اوسط تعلق کو ظاہر کرتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں قرآنی ترتیب کے اس گراف کے تمام نقاط حیرت انگیز صحت کے ساتھ حسابی لڑی میں پروئے گئے ہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ قرآن پاک کو اس طرح ترتیب دینا کسی انسانی دماغ کے لئے چودہ سو سال پہلے تو کیا آج بھی بہت مشکل ہوتا لیکن اس وقت کی سائنس اور حساب کی دنیا میں جا کر اگر سوچا جائے کہ یہ کیسے ممکن ہوا تو عقل مبہوت رہ جاتی ہے اور دل بے اختیار اس کی سچائی کی گواہی دے گا۔

اس دریافت کے بعد یہ کہنا یا سوچنا کہ قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب اور سپاروں کی تقسیم حضور نبی کریم ﷺ کے بعد کسی اور عظیم المرتبت صحابی یا دانشور کا کام ہے انتہائی مضحکہ خیز اور لغو معلوم ہوتا ہے۔ چودہ سو سال پہلے اگر سارے انسان مل کر بھی ایسی ترتیب دینا چاہتے تو نہ دے سکتے۔ حتیٰ کہ آج کے اس سائنسی اور حسابی دور میں بھی یہ کام بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شک کرے کہ اللہ کی کتاب میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل ہے تو اس کے نفاق پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس عظیم کتاب کی فہرست مضامین اس قدر حکمت والی ہو اس کے مضامین آیات اور رکوعات میں جو احتیاط اور شان ہوگی اس کے کیا کہنے۔

4۔ ترتیب اور روحانی ترقی

اب ہم اس گراف کے حوالہ سے کلام اللہ کی اس معجزانہ ترتیب کے روحانی پہلوؤں کے سلسلہ میں سوچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے شک انسان کے بس کی بات نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمتوں کی تہہ تک پہنچ سکے۔ (لیکن جتنا اللہ تعالیٰ چاہے)۔

قرآن حکیم کی اس سائنسی اور حسابی ترتیب میں کئی حکمتیں چھپی نظر آتی ہیں جن میں حساب دانوں، سائنس دانوں، دانش وروں اور علماء کی سوچ بچار کے لئے میدان کھلا ہے۔ اللہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ان عظیم رازوں پر سے ہم پردہ اٹھا سکیں اور دنیا جو جہالت منافقت اور شرک کے گہرے اندھیرے میں بھٹک رہی ہے اس کی سیاہ راتوں کو ہم قرآن حکیم کی روشنی سے منور کرسکیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ گراف صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب وحی الٰہی کے عین مطابق ہے اور اس میں کسی انسانی ہاتھ کا دخل نہیں ہے۔ سورتوں اور سپاروں کے درمیان یہ معجزانہ گراف قرآن حکیم کی برکات کی روحانی تصویر بھی ہے۔

آغاز پر گراف کا خط صفر سے شروع نہیں ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ جب کوئی قاری قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتا ہے تو نیت کے ساتھ ہی اسے ایک روحانی بلندی حاصل ہوجاتی ہے۔ جس گھر میں قرآن کریم رکھا ہے وہاں یہ برکات خود بخود موجود ہیں۔ جب آپ قرآن کی طرف آتے ہیں تو یہ بنیادی فائدہ آپ کو فوری ہی حاصل ہوجاتا ہے یعنی قرآن کا نور ہر وقت اپنے ماحول کو منور کیے ہوتا ہے۔

ان ابتدائی فوائد کے ساتھ جب قاری قرآن کریم میں غوطہ زن ہوتا ہے تو پھر تعلیم میں ترقی کے ساتھ ساتھ برکات میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ شروع شروع میں بلندیوں کا حصول نسبتاً آہستہ ہے۔ شاید یہ وقت بنیاد مضبوط کرنے کا ہے، اپنے مقام سے آگاہی کا وقت ہے جس میں آدمی اپنی زندگی کی سمت سیدھا کرنا سیکھتا ہے اور پھر صراط مستقیم پر گامزن ہوجاتا ہے اور باطل جذبوں سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ جیسے جیسے صحیح فکر اور عمل کے ساتھ انسان قرآن پاک کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کی روح اپنے رب کی طرف وفا کا پیکر بن کر سفر جاری رکھتی ہے اور

اعلیٰ سے اعلیٰ، نت نئے نئے مقامات عالیہ سے لطف اندوز ہوتی ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ابتدائی سورتیں کسی فرد کی ظاہری تطہیر پر مرکوز رہتی ہیں اور وہ بتاتی ہیں کہ انسان کے لئے زندگی کی گہما گہمی میں کیا کچھ کرنا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے، وہ اسلامی شریعت کی عام زندگی پر حاوی شقیں کھول کر بیان کرتی ہیں، وہ سوسائٹی کے عمرانی اور اخلاقی پہلوؤں پر بحث کرتی ہیں اور آدمی کو صحیح انسان بناتی ہیں۔ جب ایک قاری قرآن حکیم کی تلاوت کرتا جاتا ہے اور اپنی زندگی کا رخ اس کے مطابق موڑتا جاتا ہے تو اس کی روحانی ترقیوں اور برکات میں بھی تیزی آتی جاتی ہے۔مزید آگے بڑھتے ہوئے وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم کی باطنی روشنی سے بھی بہرہ اندوز ہو۔ باہر والا رنگ پھر اس کے باطن پر اتر جاتا ہے اور روح اس سے طاقت حاصل کرتی جاتی ہے۔یوں قرآن کریم کے آخری حصوں تک پہنچتے پہنچتے قاری کی روح انتہائی بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگ جاتی ہے۔ بالآخر سورتوں اور سپاروں کے درمیان اس گراف کے آخری حصہ کی مانند وہ ملائے اعلیٰ کی طرف عمودی اڑان لے لیتی ہے۔

قرآن کریم سے درج بالا فوائد اور برکات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی روح قرات کا ساتھ دے۔اس طریقہ تلاوت کی خاص بات قرآن حکیم کو ختم کرنا نہیں (جو ہمارا رواج ہے اور ہم فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے اتنے قرآن ختم کر لیے) بلکہ اس کو سمجھ کر دل پر اتارنا ہے یعنی قاری محسوس کرنے لگے کہ قرآن پاک کی آیات اس پر نازل ہو رہی ہیں۔اس کیفیت میں قرآن پاک قاری کی روح کی غذا بن جاتا ہے۔شاید اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ بات سمجھ آجائے کہ آپ نے فرمایا: میں نے سورۃ البقرۃ کو پڑھنے کے لئے سات سال لیے۔مطلب یہ ہے کہ ترتیل، فکر و تدبر اور عمل کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کی جائے تو قرآن حکیم کی معیت میں قاری کے روحانی سفر کی کوئی انتہا نہیں جیسے جیسے قاری آگے بڑھتا جاتا ہے روحانی بلندیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے، بیسویں سپارے کے بعد اضافہ کی شرح بے مثال ہے۔

عددی طور پر گراف کی شکل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائے قرآن، روح کی اڑان نہیں بلکہ اس کی پرورش کا دور ہے۔اگلے پانچ سپاروں میں بھی یہی ہے۔10 سے 15 سپاروں

تک اضافہ 8 گنا ہے اور 15 سے 20 تک اضافہ کی شرح 11 گنا ہے لیکن اس کے بعد روحانی بلندیوں میں بہت تیزی آجاتی ہے یعنی 20 سے 25 سپاروں تک ترقی 16 گنا ہے لیکن آخر میں جا کر قرآن کے طالب علم کی روحانی ترقی کی اڑان تقریباً عمودی ہو جاتی ہے یعنی روحانی فاصلے جو مہینوں میں طے ہوتے تھے اب وہ منٹوں میں طے ہونے لگتے ہیں۔

قرآن حکیم کی تلاوت کی ایسی برکات کے متعلق حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کی زندگی میں قرآن حکیم کی تلاوت معمول رہا ہے۔ روز جزا اس شخص سے کہا جائے گا، قرآن پاک پڑھتے جاؤ اور اوپر چڑھتے جاؤ۔ تم آہستہ آہستہ پڑھو چونکہ تمہاری منزل وہ مقام ہوگا جہاں تمہاری تلاوت کا آخری لفظ ختم ہوگا'' (ابوداؤد، ترمذی)

5۔ حق کے لئے جدوجہد اور کامیابی کا فارمولا

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم کی یہ حیرت انگیز ترتیب صاحب قرآن پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کی عملی تصویر ہے اور دنیا پر قرآن کریم کے اثرات کی پیش گوئی ہے۔ ابتداءً دعوت بہت ہی کٹھن کام تھا۔ ابتدائی مکی دور میں تو اسلام قبول کرنے والوں کی شرح بہت آہستہ تھی لیکن پھر ہر آنے والا دن پہلے کی نسبت زیادہ کامیاب تھا۔ ہجرت تک مکی مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ سو افراد سے بھی کم تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کے ثمر میں برکت ڈالتا گیا حتیٰ کہ فتح مکہ کے دن آپ کے ساتھ دس ہزار جانثار تھے اور اگلے تین سالوں میں یہ تعداد بڑھ کر ایک لاکھ سے زیادہ ہوگئی۔ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ نصر میں ارشاد فرمایا ہے۔

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی اور فتح ملی تو تم نے دیکھا لوگوں کو فوج در فوج اسلام میں داخل ہوتے۔'' (سورۃ النصر)

یہ آیت مبارکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کے اس دور سے متعلق ہے جب کامیابی عمودی طور پر بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس وقت سے اب تک قرآن کریم کی برکات اور اثرات مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب ان شاء اللہ تعالیٰ ساری دنیا قرآن

کے حق ہونے کو دل سے تسلیم کرلے گی۔

آیئے اب اس تناظر میں ذرا سورۃ النصر کی تفسیر سائنسی حسابی طریقہ سے کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جد و جہد اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد میں تعلق کی کیسی تصویر ظاہر ہوتی ہے۔

جدول نمبر 2

عیسوی سال بعثت نبوی	اہم واقعہ	مستعد مسلمان مردوں کی تعداد
610	بعثت طیبہ	1
622	ہجرت	1,50
623	بدر	3,13
624	اُحد	7,00
627	خندق	1,000
628	حدیبیہ	1.400
628	خیبر	1,600
629	موتہ	3,000
630	فتح مکہ	10,000
630	حنین اور طائف	14,000
631	تبوک	30,000
632	حجۃ الوداع	1,24,000

اس جدول کی حسابی شکل گراف نمبر 2 میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ وقت کے ساتھ ساتھ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کی تصویر ہے۔اس عظیم جدو جہد میں صلح حدیبیہ وہ اہم موڑ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح مبین کہا گیا ہے اور اس فتح کے ساتھ ہی نصرت اللہ تعالیٰ شامل حال ہو جاتی ہے چنانچہ اس مقام کے بعد اسلام کی افرادی قوت میں اضافہ کی شرح تیزی سے بڑھتی ہے۔ گراف نمبر دو میں 629 سے 632 کا زمانہ ''یدخلون فی دین اللہ افواجا'' کی حسابی

تصویر ہے۔ یوں یہ سارا گراف حضور ﷺ کی جدوجہد کی صحیح صحیح عکاسی ہے اور آپ ﷺ کے بعد بھی حق کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی راہ کا تعین کرتا ہے۔

مسلمان آدمیوں کی تعداد ہزار

گراف نمبر 2

حیات طیبہ ﷺ میں اسلام کی ترقی کا گراف

اِذَاجَآءَ نَصرُ اللّٰهِ وَ اَلفَتحُ وَرَأَيتَ

النَّاسَ يَدخُلُونَ فِىُ دِينِ اللّٰهِ اَفوَاجًا

فَسَبّحِ بِحَمدِ رَبّكَ وَ استَغفِرهُ اِنَّهٗ كَانَ

تَوَّابًا

مدنی دور — اسلام کی جدوجہد کے سال — مکی دور

یہاں سے آپ دیکھتے ہیں کہ حق کی جدوجہد کے تین ادوار ہیں: مکی دور جو بہت تنہائی اور مایوسی کا دور ہے یہ دور ٹوٹل جدوجہد کے تقریباً 55 فیصد طویل دور پر شامل ہے اس کے بعد امید اور خطرات کا دور شروع ہوتا ہے جو جدوجہد کے تقریباً 25 فیصد حصہ پر مشتمل ہے۔ امید اور خطرات کے دور کے بعد وہ وقت آتا ہے جب حق کے شیدائیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کا اعلان اور نصرت کا آغاز شروع ہوتا ہے اور اس آخری دور میں جدوجہد مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ حق جیت جاتا ہے اس کے مقابل باطل بری طرح ہار جاتا ہے۔

اب آپ حضور ﷺ کی جدوجہد اور کلام اللہ کا ترتیبی گراف نمبر 1 اور گراف نمبر 2 کا موازنہ کر کے دیکھیں تو ایک ہی صورت نظر آتی ہے، دونوں ہی میں بالآخر وہ وقت ضرور آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار برستی نظر آتی ہے اور بے مثال روحانی اور دنیاوی کامیابی عطا ہوتی ہے۔

6۔ تلاوت کا بہترین طریقہ

قرآن پاک کی معجزانہ ترتیب کا گراف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ تمام برکات کے حصول کے لئے قرآن حکیم کی تلاوت شروع سے اخیر تک بالترتیب کرنی چاہیے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک ایک بڑی شاہراہ کی مانند ہے جو بلندیوں کی طرف جاتی ہے۔ اس میں جس مقام سے چاہا سفر کرنے والا بھی بڑے ثواب کا حق دار ہے (کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کے پڑھنے میں دس نیکیاں ہیں اور آپ ﷺ نے تشریح فرمائی کہ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' ایک حرف ''لام'' ایک حرف اور ''م'' ایک حرف ہے اور یوں الم کی تلاوت سے قاری کو تیس نیکیاں انعام میں ملتی ہیں)۔

البتہ قرآن پاک کا صحیح حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب ہم کلام اللہ کو اس کی ترتیب کے مطابق مسلسل پڑھیں۔ صحابہ کرام ؓ ایسا ہی کرتے تھے۔ جب ہم ان کی مانند شروع سے آخر تک قرآن حکیم کی تلاوت کو اپنی زندگی کا معمول بنائیں گے تو تلاوت کے ساتھ ساتھ ثواب کے علاوہ روحانی ارتقاء بھی حاصل ہوتا جاتا ہے۔ ہر اگلی آیت مبارکہ کا ثواب اس سے پہلی آیت مبارکہ سے زیادہ ہوگا اور اخیر میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حساب نہیں اور یوں قاری نہایت تھوڑے عرصہ میں انتہائی زیادہ بلندیاں حاصل کرنے لگتا ہے لیکن یاد رہے کہ ان ترقیوں کے لئے خالص نیت اور عمل لازمی شرط ہیں۔

رحمت للعالمین ﷺ کے خطبہ کا ایک اقتباس

فان خیر الحدیث کتاب الله وخیر الهدی، هدی محمد ﷺ (متفق علیہ)

''تمام باتوں سے بہتر اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن پاک) ہے اور تمام راستوں سے بہتر راستہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے''

رحمۃ للعالمین ﷺ (تمام جہانوں کے لئے باعث رحمت)

وَ مَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الحج۔107)

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''

وَ مَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو تمام نوع انسانی کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔(سبا۔28)

7۔ سورۃ یٰسین ۔قرآن کا دل

سورۃ یٰسین قرآن کریم کو 36 ویں سورۃ ہے جس میں 83 آیات ہیں۔احادیث کی کتابوں مثلاً ابوداؤد، احمد، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ یہ قرآن کریم کا دل ہے۔ یہ بات اس کے مضامین سے بھی سمجھ آتی ہے۔ بڑے زوردار طریقہ سے اس میں اسلام کی روح کو اجاگر کیا گیا ہے۔حسابی لحاظ سے حیران کن بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب میں جو جگہ اسے دی گئی ہے وہ بھی تقریباً اس مقام پر جس مقام پر انسان میں اس کا دل ہے مثلاً ترتیبی لحاظ سے یہ سورت قرآن کریم کے مجموعی حجم میں تقریباً 74% فیصد پر آتی ہے یعنی اس سے پہلے 74% قرآن ہے اور اس کے بعد 26%۔

اب آپ اپنے جسم میں اپنے دل کے مقام کا حساب لگائیں۔ جب ہم نے مختلف عمروں کو عورتوں اور مردوں کو لے کر پاؤں سے دل تک اور دل سے سر تک قد کی پیمائش کی تو معلوم ہوا کہ انسانی دل کا مقام ٹوٹل قد میں تقریباً 73 فیصد پر ہے۔ پیمائش اور کھڑے ہونے کے انداز کی وجہ سے تھوڑا بہت فرق ہوسکتا ہے لیکن مجموعی حیثیت میں یہی بہت ثابت ہوا کہ جو حیثیت انسانی دل کی انسانی جسم میں ہے وہی حیثیت سورۃ یٰسین کی مجموعی قرآن میں ہے۔سبحان اللہ! کون کہے گا کہ کلام پاک کی ترتیب انسانی ہے؟

28رجب: یومِ سقوطِ خلافت

عمران یوسف زئی

یہ مضمون چار سال قبل اگست 2006ء میں نوائے وقت میں شائع ہوا تھا۔
ہم شکریہ کے ساتھ اس کو دوبارہ شائع کررہے ہیں۔(ادارہ)

عراق اور افغانستان میں مسلمانوں کے قتل عام اور قرآن کی بے حرمتی اور توہین رسالت کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ مغرب نے لبنان میں نہتے مسلمانوں پر بم برسا کر اُمت کو ایک بار پھر غمزدہ کردیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر آنے والا دن مسلمانوں کے لئے کوئی نئی قیامت لے آتا ہے۔لیکن ابھی تک کچھ مسلمان یہ معلوم نہیں کرسکتے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔اس کی محض ایک ہی وجہ ہے کہ ہے مسلمانوں کی ڈھال یعنی مسلمانوں کا امام اور خلیفہ موجود نہیں جس کے پیچھے مسلمان متحد ہوسکیں اور دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔اس ڈھال کو استعمار نے مصطفیٰ کمال کے ساتھ مل کر توڑ ڈالا اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔ یہ سانحہ 28 رجب 1342ھ (بمطابق مارچ 1924ء) کو پیش آیا۔لیکن آج مسلمان اپنی تاریخ کے اس افسوسناک ترین دن کو اس طرح یاد نہیں کرتے جیسا کہ یاد رکھنے کا حق ہے۔ یہ سقوط خلافت کا دن ہے۔اگر وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کہنا ہرگز غلط نہیں ہوگا کہ خلافت کا سقوط دراصل مسلمانوں کی 13 صدیوں کی شان وشوکت،عظمت،تحفظ اور مسلمانوں کی وحدت کا خاتمہ تھا۔ یہ وہ دن ہے جب مسلمان پوری دنیا میں عزت و تعظیم سے محروم ہوگئے اس کے بعد دنیا میں مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ رہا۔ مسلمان بے قیمت،آسان ترین شکار اور مال مفت بن کر رہ گئے۔جس کا جی چاہے،مسلمانوں کو لوٹے، مارے،ذبح کرے یا پکڑ کر جیلوں میں بند کردے۔ یہ وہ دن ہے جب مسلمانوں کے

اتحاد کی آخری نشانی اور ادارے (یعنی خلافت) کو کچل دیا گیا اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کو مسلمانوں کی ڈھال کہا ہے اس دن اس آخری ڈھال 'خلیفہ عبدالمجید ثانی' کو سوئیزرلینڈ جلاوطن کر دیا گیا۔ اسلام کی جگہ سیکولرازم کا نفاذ ہوا اور اسلام کی ایک ایک نشانی کو دارالخلافہ استنبول (اسلامبول) سے ہٹانے کا عمل شروع ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے انگریزوں کی خلافت کو تباہ کرنے سے روکنے کے لئے اپنی تاریخ کی پہلی اور انتہائی زبردست سیاسی مہم چلائی جسے تاریخ کے اوراق 'تحریک خلافت' کے نام سے جانتے ہیں۔ تاہم بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر موجود بعض غداروں کی موجودگی کے باعث خلافت کی تباہی کو روکا نہ جا سکا۔ نبی ﷺ نے پہلے ہی فرما دیا تھا: ''اسلام کی گرہیں ایک ایک کر کے کھولی جائیں گی یہاں تک کہ تمام گرہیں کھل جائیں گی۔ سب سے پہلی گرہ (جو کھلے گی) کتاب اللہ کے ذریعے حکمرانی (یعنی خلافت) کی ہوگی جبکہ سب سے آخری گرہ نماز کی ہوگی۔''

آج کل کا میڈیا خلافت کو عموماً ایک پسماندہ نظام کے طور پر پیش کرتا ہے جیسے کہ وہ پتھروں کے دور کی بات ہے اور اس نظام میں خلیفہ محض عیاشی کے علاوہ کچھ نہیں کر رہا تھا جبکہ عوام کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ کم و بیش یہی بات ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے متعلق کی جاتی ہے۔ ان لوگوں کی جانب سے خلافت کی تاریخ کا مطالعہ کبھی بھی حکمرانوں کی ذاتی زندگیوں سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ لیکن جیسے ہی آپ اس معاشرے میں بسنے والے لوگوں کی بہترین معاشی حالت، عوام الناس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل، زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا فقدان، مسلمانوں کی طاقتور ترین عسکری قوت، ہزار سال تک دنیا پر حکمرانی، فرقہ پرستی کا نہ ہونا اور سائنسی، ثقافتی اور تہذیبی ترقی کا تذکرہ کریں تو ان حضرات کا منہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔ ان خلفاء نے اس اُمت کے ہزاروں مربع میل کے علاقوں کو اسلام اور عربی زبان کی طاقت سے متحد کیا اور آج کے روشن خیال، دانشور اور ترقی پسند حکمران صرف پانچ صوبوں کو متحد نہیں رکھ سکتے۔

ہم اس ضمن میں تاریخ کے اوراق سے چند واقعات قلم بند کرنا چاہتے ہیں تا کہ معزز قارئین خلافت کی موجودگی میں مسلمانوں کی شان و شوکت اور عزت و وقار کی ایک جھلک ملاحظہ کر سکیں نیز یہ بھی جان سکیں کہ کس طرح عالمی سیاست خلافت کے فیصلوں سے اثر انداز ہوا کرتی تھی:

(1)...... برطانیہ، سویڈن اور ناروے کے بادشاہ جارج دوم کا خلیفہ ہشام سوئم کو لکھا گیا یہ خط ریاست کی تعلیمی اور سماجی ترقی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ جارج دوئم تحریر کرتا ہے: ''ہم نے آپ کی تعلیم گاہوں اور صنعتوں کی عظیم ترقی اور ان کی بہتات کے متعلق سنا ہے......پس ہماری بھی یہ خواہش ہے کہ ہمارے بیٹے بھی ان اعلیٰ اقدار کو سیکھیں تا کہ یہ آپ کے نقش قدم پر چلنے کے لئے ایک اچھی ابتداء ہو اس کے ذریعے علم کی روشنی ہمارے ملک میں بھی پھیل سکے جو کہ چاروں جانب سے جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی بھتیجی شہزادی ڈوبانٹ کو برطانوی نواب خاندانوں کی لڑکیوں کے وفد کا سربراہ بنایا ہے تا کہ اس کو اس بات کا شرف حاصل ہو کہ وہ آپ کے تخت کے تراشیدہ کناروں کو چوم سکیں اور آپ کا احسان حاصل کر سکیں اور وہ اور اس کی ساتھی لڑکیاں آپ کی خصوصی توجہ حاصل کر سکیں۔......آپ کا تابعدار خادم جارج دوئم۔''

(2)......محض تقریباً دوسو سال قبل عثمانی خلیفہ سلیم سوئم (1789ء۔1808ء) کے دورِ حکومت میں خلافت کا الجزائر کا گورنر اس وقت کے امریکہ سے سالانہ چھ سو بیالیس ہزار ڈالر سونے کی صورت میں اور بارہ ہزار عثمانی سونے کے سکے بطور جزیہ وصول کرتا تھا۔ اس ٹیکس کے جواب میں الجزائر میں امریکی قیدیوں کی رہائی اور امریکی جہازوں کی بحر الکاہل (ATLANTIC OCEAN) اور بحر قلزم (MEDITERRANEAN SEA) سے حفاظت کے ساتھ گزرنے کی گارنٹی دی جاتی تھی کہ عثمانی خلافت کی نیوی ان پر حملہ نہیں کرے گی۔

(3)......فرانسیسی بادشاہ فرانسس اوّل کو 1525ء میں PAVIA کی جنگ میں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ بادشاہ کی گرفتاری فرانس کے لئے توہین آمیر واقعہ تھا لیکن اس کی افواج اس کو قید سے نجات نہیں دلا سکتی تھیں۔ فرانس نے خلیفہ کو مدد کے لئے پکارا۔ سلیمان نے نمائندے کو ایک خط دیا جس کے الفاظ یہ تھے: ''ہمیں آپ کے نمائندے کی طرف سے خط مل گیا ہے جس میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کے ملک پر حملہ کیا اور آپ کو قیدی بنایا ہے اور آپ اپنی رہائی کے سلسلہ میں ہماری مدد چاہتے ہیں۔ ہم نے آپ کی درخواست کا جواب دے دیا ہے، پس آپ بے فکر ہو جائیں اور پریشان نہ ہوں۔''

یہ تھا خلیفہ سلیمان القانونی کا جواب اور خلافت نے اپنا بین الاقوامی اثر و رسوخ اور فوجی قوت کو

فرانس کے بادشاہ کی رہائی کے لئے استعمال کیا۔

(4)......خلافت کے نظام حکومت کو دیکھیں اور اس کے زبردست ادارے قاضی مظالم کو (وہ قاضی جو کہ حکمرانوں کے خلاف شکایات سنتا ہے اور ان کا خاتمہ کرتا ہے) تیسری صلیبی جنگ کے دوران سویڈن کا بادشاہ، چارلس سوئم کو مسلمانوں نے قیدی بنالیا اور چار سال تک وہ مسلمانوں کی قید میں رہا رہائی کے بعد اپنے وطن پہنچنے کے بعد جو پہلا حکم جاری کرتا ہے وہ محتسب (OMBUDSMAN) کے ادارے کا قیام ہوتا ہے جس کا وہی کردار ہوتا ہے جو کہ قاضی مظالم کا ہے۔

1901ء میں خلیفہ سلطان عبدالحمید ثانی نے عالمی صیہونی تنظیم کے سربراہ ڈاکٹر ہرٹزل کی اس پیشکش کو ٹھکرایا جس میں اس نے فلسطین کے کچھ حصے پر یہودی آبادکاری کے بدلے میں ایک خطیر رقم دینے کی تجویز دی تھی۔ خلیفہ نے کہا: ''میں فلسطین کی زمین کا ایک بالشت بھر حصہ بھی کسی کے حوالے نہیں کر سکتا کیونکہ یہ زمین میری نہیں کہ جس کو میں قربان کر سکو۔ فلسطین مسلم اُمہ کی زمین ہے...... میرے لوگوں نے اس کے لئے سخت جنگیں لڑی ہیں اور اس کو اپنے خون سے سیراب کیا۔ یہودی اپنے لاکھوں اپنے پاس رکھیں ہاں اگر ایک دن خلافت کا خاتمہ ہو گیا تو فلسطین کو مفت لے لیں۔ لیکن جب تک میں زندہ ہوں، تو میرے لئے یہ آسان ہے کہ میرے جسم کو قینچیوں سے کاٹا جائے بجائے اس کے کہ فلسطین کو خلافت سے جدا کر دیا جائے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں اپنے جسموں کے ٹکڑے کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا جب تک میں زندہ ہوں۔''
اس مردِ حق کی بات سچ نکلی۔ خلافت کے سقوط کے بعد یہودیوں نے اسے مفت میں ہی حاصل کر لیا۔ یاد رکھیں کہ جس وقت خلیفہ نے یہ جواب دیا تھا کہ اس وقت خلافت پر قرضوں کا بار تھا اور یہ وہ وقت تھا جب کمزور چھا چکی تھی۔

صرف سو سال قبل جب مغرب عثمانیہ کو ''یورپ کا بیمار آدمی'' کہہ کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ انہی دنوں میں فرانس میں ایک ڈرامہ سٹیج کیا گیا جسے والٹر نے تحریر کیا تھا اور اس میں محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کی گئی تھی۔ خلیفہ عبدالحمید ثانی نے فرانس کے سفیر کو بلوایا، اسے لمبے عرصے تک انتظار کروانے کے بعد خلیفہ مکمل جہاد کا لباس زیب تن کر کے نمودار ہوا۔ پھر اس نے فرانسیسی سفیر کے سامنے تلوار رکھی اور اسے فوراً نکل جانے کا حکم دیا۔ فرانس خلیفہ کے پیغام کو سمجھ گیا اور اپنے عمل

سے باز آ گیا۔ برطانیہ کو بھی یہی وارننگ دی گئی۔ اس نے جواب دیا کہ ڈرامے کی ٹکٹیں فروخت ہو چکی ہیں اور ڈرامے پر پابندی عائد کرنا لوگوں کی آزادی پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ اس پر خلیفہ نے واضح الفاظ میں برطانیہ کے لئے پیغام جاری کیا۔ ''میں اُمت مسلمہ کو یہ فتویٰ جاری کر دوں گا کہ برطانیہ ہمارے رسول محمد ﷺ کی توہین کر رہا ہے۔ میں جہاد کا اعلان کر دوں گا۔'' چنانچہ جب برطانیہ تک خلیفہ کا الٹی میٹم پہنچا تو اس نے بھی ڈرامہ پر پابندی لگا دی۔ یہاں پر اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں کہ ڈنمارک نے جب نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو ہمارے حکمرانوں کا ردعمل کیا تھا۔

یقیناً 28 رجب 1342 ہجری (1924ء) کو مسلم اُمت یتیم ہو گئی تھی۔ بے شک جس چیز کی اب ہمیں نہ صرف اشد ضرورت ہے بلکہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں خالص اسلامی خلافت کی بحالی ہے، وہ نظام جو کہ ہر طرح تمام زمانوں سے ہم آہنگ، آزمایا ہوا اور لامحدود دانائی کی بنیاد سے اخذ کیا گیا ہے یعنی اسلامی عقیدہ ہے اور جسے قائم کرنے کو فقہاء نے ام الفرائض اور الفرائض الاساسی قرار دیا ہے۔ نیز اس کے دوبارہ قیام کی بشارت ہمیں الصادق الامین ﷺ نے خود فرمائی ہے۔

''تم میں نبوت باقی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ اس کو اُٹھا لے گا۔ پھر خلفاء راشدین کا دور آئے گا اور یہ باقی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ اس کو اُٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہتوں کا دور آئے گا یہ باقی رہیں گی جب تک اللہ چاہے پھر اللہ ان کو اُٹھا لے گا۔ پھر جابر بادشاہوں کی حکومتیں ہوں گی اور یہ باقی رہے گی جب تک اللہ چاہے، پھر اللہ اس کو اُٹھا لے گا اور پھر تم میں دوبارہ خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو گی، اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔''

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور 26 اگست 2006ء)

Islam and Pakistan

Muhammad Faheem
Timergara Dir (Lower)

The tow-nation theory and the ideology of Pakistan, in reality mean the ideology of Islam. This unambiguous concept has been turned into a disputed proposition with a perceived agenda against the very existence of the country. We were seriously required to work for the strengthening of the ideology of the country that remains after coming into existence of the Bangla Desh from the East Pakistan of once-upon-a time. The ruling class irrespective of whosoever they were did not move an inch towards that goal with the result that the country became a venue of ethnicity and regionalism gradually undoing the bond that was responsible for the coherence of the nation. The solidarity and strength of this country can only be ensured if we work in accordance with the spirit of its genesis and establish here the system for which we are committed

before Allah (SWT) as had been once for all decided in the ‘Objective Resolution.’ The tragedy with us is that the secular section of the society are hell bent upon working against the ideology and are in no way reconciled to run the country on the principles that conform with the Islamic teachings, for which again we are on record to have promised at the time of our struggle for independence. To do away with the Islamic identity of Pakistan the secular element are trying to prove with conspiracy theories to prove that the Quaid-e-Azam was a secular person and he wanted to establish a secular homeland for the Muslims of the Sub continent. This is a deliberate attempt to undermine the honor and dignity of the founder of the nation who is on record to have boldly spoken out several times what he was determined to do regarding the principles of running the new country. People who are thinking contrary to this are in reality negating the very philosophy of the division of Hind. If the founder of Pakistan was wishing to establish a secular country like what Mr. Gandhi, Patel and Jawahar Lal Nehru wanted, then what was the rai-son’d etre of sacrificing millions of people for that cause and tearing apart the country in two resulting of the mass migration from both the sides. There are dozens of the Quaid’s statements on record where he has unequivocally expressed his conviction

of the Muslims having a system of life quite different to that of the non-Muslims.

In August 1941some young students in Hyderabad questioned the Quaid-e-Azam on the difference in an Islamic and secular government. The Quaid-Azam replied, “In Islam there is no subservience to either a king, a parliament, a man or an institution. It is only the Quranic Commandments, which prescribe for us the whole code of conduct in all the spheres of life. An Islamic government, in other words is the rule of the Quranic principles and commandments and for governance, after all you need a territorial jurisdiction and authority to govern. The organization of the Muslim league, its struggle and its direction all are the answer to this question.” On November 21, 1945, the Quaid while addressing the Muslim League conference in Peshawar said, “ The Muslims are demanding Pakistan where they can live according to their code of life, civilization and Islamic law. In contrast to this the Hindu Congress is struggling for Akhand Bharat.” Addressing the students of the Islamia College Peshawar on Nov. 25,1945, he gave a narration of the evolution of the Muslim League and thereafter elaborating on the political ideal of the party, he said, “Muslim League is assertive of the fact that wherever there is a Muslim majority in India, there should

come into being such states where the Mulims can rule in accordance with the Islamic law." In reply to the welcome address of the students of the Edwards College Peshawar on Nov.27, 1945, the Quaid said, "We the two nations are different not only in religion but we own two divergent cultures. We have in our Deen a complete code of life which provides a comprehensive guidance in all spheres of life. We want to live by those norms. The Hindu leadership has taken upon itself to reduce the Muslim into a minority and to establish the "Ram Raj." Addressing the students of the Islamia College Peshawar, the Quaid-e-Azam said, "The Muslim League is struggling to establish an independent state in those parts of India where the Muslims are in majority so that they could rule the country in accordance with the Islamic law. In reception given in his honor by the Karachi Bar Association on Nov 26, 1948 , the Quide completely negated the argument of those who asserted Pakistan to be a secular state rather than an Islamic one. The Quaid had said on that occasion, "I am at a loss to understand that some section of the people is making this mischievous propaganda that the constitution of Pakistan will not be based on the Islamic Sharia. Some people have gone astray and some have been influenced by this propaganda but I want to declare that not only Muslim but

non Muslims should also not scare the least of this arrangement. Let we do that and we will demonstrate it before the whole world.

In his Eid felicitation message of August 8, 1945 to the Muslims of India the Quaid said, “The Quranic commandments are not limited only to the religion and ethical sphere. As Gibbon has said the Quran is being believed as a basic code by the people from the Atlantic to the Ganges . It is admitted not only as religiosity but as the civil and criminal code and such unchangeable laws that govern the deeds and the possessions of the human beings. Everybody except the ignorant ones does know that The Quran is a perfect code for the believers. This is a code for religious, social, civil, commercial, military, judicial and criminal activities which are the concerns of all the people. The Quran is all embracing and it contains an answer to all the matters including salvation of the spirit, health of the physical body, the human rights from the collective to the individual case, from the ethics to the crimes and the punishment for one’s deeds here and the retribution in the Hereafter. At the eve of the opening ceremony of the State Bank of Pakistan on the 1st January, 1948 , the Quide emphasized for the replacement of Western for Islamic economic system. The Quaid-e-Azam argued that the

Western economic system had created enormous problems and it seemed that only some miracle could save the world from a dreadful collapse. “This system” he said, “has failed in ensuring justice between individuals and ending ill will in the international polity. The Western values, ideologies and way of life cannot help us in reaching the desired destination ahead of us. We have to work in our own way to achieve sublimity and to present before the world an economic system founded on human equality and social justice. In this way we will be able to achieve our objective as Muslims. As such we will be able to pass on this message to the world that this is the system that can work for the welfare of the human race and can secure it in a befitting way.” Talking to the All India Muslim Student Federation in Jalandhar, the Quaid said, “To me the Quran has given its verdict on the system of government some thirteen hundred and fifty years ago.”

This is the ideology that was fully embedded in the mind of the Founder Father of Pakistan . Let us look at a few references of Shaheed-Millat Khan Liaquat Ali Khan who was a close associate and compatriot of the Quaid to know that all the Muslim leaders had the same ideal in their mind. On the 14th of January 1948 , in an appeal to the people of the then NWFP (Khyber Pukhtoonkhwah), Mr. Liaquat Ali

Khan reminding them the declaration the Quaid-e-Azam had said, “ We have Pakistan as our laboratory where we will prove before the world how the Thirteen years old Islamic principles are workable today.”(the Pakistan Times Jan 15, 1948) On another occasion khan Liaqat Ali Khan declared in Rawalpindi , “The constitution of Pakistan will be based on the Commandments of the Holy Quran”. He further said, “The Quaid-e-Azam and his companions wish to see Pakistan thrive in such a strength that can offer its citizens the guarantee of Justice.” (Pk. Times, April 17, 1948) On another occasion he had said,“ Pakistan has been achieved for the purpose presenting it before the world as a model based on the Islamic principles.”

Addressing a public gathering in Kohat on December 8, 1949 , Liaqat Ali Khan had said, “As far as the people wishes for the Islamic rule in Pakistan are concerned, the Objective Resolution passed by the constitutional assembly fully guarantees that purpose. It will be difficult for Pakistan to sustain itself, If we fail to establish an Islamic rule here. We have this determination to demonstrate that only Islam can undo the prevailing problems and afflictions overwhelming the world.” (Pak. Times Dec 9, 1949) Talking to the International Economic Conference on the eve of its installation Mr. Liaqat Ali Khan said, “ Pakistan has the only

yearning of serving Islam and the humanity at large as I believe that the problems of the groping world can be solved today only by Isalm. Islam does not divide the human life into two sphere one for religion and the other for the worldly affairs. It commands the believers to surrender before the Almighty Allah both at the individual and collective levels." (Dawn Karachi, Nov 2, 1949) On another occasion the Shaheed-e-Millat had said, "I have not forgotten what I had promised with the Muslim voters before the realization of Pakistan and that was to establish a system of rule on the Islamic principles, which has no similitude in the world. It is for this purpose that hundred of thousands of Muslims have sacrificed their lives and about seven millions have migrated through the blooded sea of death and killings. We have to fulfill now what had been promised by establishing an idealistic Islamic system, which is a dire need of the world today."(Pak Times Jan 8, 1950) On another occasion the first prime minister had said, "We have a complete code of life, a separate civilization and our own ways. We want to adopt all this and want to get united under the Islamic principles" (Pak Times Dec 8, 1949)

From amongst the religious scholars who supported the Quaid-e-Azam, the most renowned was Maulana Shabir Ahmad Usmani. Addressing the constitution assembly,

passing the Objective Resolution he said, “We should not to owl-like, which is unable to see things in daylight. Pakistan is to prove a minaret of light to the world which is stuck in the whirlpool of materialism and in the darkness of atheism and infidelity. This is not a challenging but a peaceful message for salvation. Before suggesting any system for the world in general and for Pakistan in particular we should understand with all absoluteness who is the Real Lord of all the universe of which we and this country of ours are a part. When we acknowledge that Authority as Supreme then we have limited choice of action within the jurisdiction prescribed by Him. No oppressive usage of the country is legitimate for us. The aim of sending His apostles in this world is to educate the human beings on limits of his actions. The Objective Resolution is structured with words which fulfill this requirement. It is from this point that the secular and non-secular types of governments have to follow two different routs.

The statements and declarations of the founder fathers of Pakistan categorically mean nothing except “Pakistan Ka Matlab Kiya : La Ilaha Illullah”. Only a very prejudiced and stubborn man can go into denial of these historical facts.

ان شاءاللہ

ضرور پڑھیے ضرور پڑھیے ضرور پڑھیے

ماہِ اگست 10ء کے شمارے سے

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ پانچ قسطوں میں

صہیونیت کے گھناؤنے اور ابلیسی کردار کو بے نقاب کرنے والی دنیا کی سب سے اہم کتاب قرآن مجید ہے اور اس کے بعد اس کتاب کے لانے والے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں جنھوں نے اپنے فرمودات میں اس ننگ انسانیت گروہ کے انسان دشمن عزائم کو نہ صرف آشکارا کیا بلکہ ان کو خاک میں بھی ملا دیا۔

یہی وجہ ہے کہ یہود(ZOINSTS) جو قتل انبیاء علیہم السلام جیسے جرم کے عادی تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا اہتمام کر دیا تھا (مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا) اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی پیدائش سے لے کر آپ کی وفات تک آپ کی جان کے درپے رہے اور بعد ازاں اُمت مسلمہ اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور یہ جنگ مسلسل 63+(1432-10)=1485 سال سے جاری ہے اور عنقریب یہودیوں کی حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں مکمل نسل کشی کے بعد اس آویزش کا ڈراپ سین ہونے والا ہے۔ اس کی تفصیلات حکمت بالغہ کے آئندہ شمارے سے پانچ مسلسل قسطوں میں (ان شاءاللہ) مطالعہ کیجیے، خود پڑھیے، دوسروں کو توجہ دلایے اور اس ضمن میں اُمت مسلمہ کی بہتری کے لئے اپنے حصے کا کام کرنے کے لئے کمر ہمت کس لیجیے۔

☆صہیونیت کیاھے؟

☆صہیونیت 600ق م سے 610ء تک

☆صہیونیت 610ء سے 2010ء تک

☆صہیونیت --- قتل انبیاء اورانکارختم نبوتؐ

☆صہیونیت کا منطقی انجام

ان شاء اللہ تعالیٰ

ماہانہ حکمت بالغہ

حقیقت انسان نمبر

حقیقت علم نمبر

احیاء العلوم نمبر

کے بعد اب دسمبر 10ء میں

دو قومی نظریہ اور پاکستان کا

نظریاتی نظام تعلیم؛

کے موضوع پر خصوصی اشاعت کا

اہتمام کر رہا ہے۔ ملک وملت کے تمام بہی خواہاں سے درخواست ہے کہ وہ اس موضوع پر نئی تحریروں کے علاوہ سابقہ تحریروں، تقریروں، تبصروں کے تراشے اور فوٹو کاپیاں بھجوا کر تعاون علی البر کا مصداق بنیں اور اس کار خیر میں حصہ لیں۔

مدیر: انجینئر مختار فاروقی